تنبیہات

اہم موضوعات اور من گھڑت روایات کی تحقیق

مفتی عبد الباقی اخونزادہ

www.youtube.com/c/MuftiOnlineByMuftiAbdulbaqi
www.t.me/muftionlinebymuftiabdulbaqi

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنبیہات

اہم موضوعات اور من گھڑت روایات کی تحقیق

سفر حج سے متعلق تنبیہات

مفتی عبد الباقی اخونزادہ صاحب حفظہ اللہ

فہرست

تعارف 4
پیش لفظ 5
تنبیہات سلسلہ نمبر32 6
خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا کرنا 6
تنبیہات سلسلہ نمبر54 17
مسجد عائشہ سے عمرہ کرنا 17
تنبیہات سلسلہ نمبر60 23
مقام ابراہیم کو چھونا یا چومنا 23
تنبیہات سلسلہ نمبر61 29
قربانی کرنے والے کے لئے بال اور ناخن کاٹنے کا حکم 29
تنبیہات سلسلہ نمبر62 34
ذی الحج کی خصوصی دعا 34
تنبیہات سلسلہ نمبر63 38
ذی الحجہ کے دس دنوں کی فضیلت 38
تنبیہات سلسلہ نمبر64 42
تکبیرات تشریق کی حقیقت 42
تنبیہات سلسلہ نمبر29 45
سعودی عرب میں باہر سے درآمد شدہ گوشت کا حکم 45
تنبیہات سلسلہ نمبر126 52

شیطان کو کنکری مارنے کی حکمت 52
تنبیہات سلسلہ نمبر127 56
مسجد نبوی کی چالیس نمازیں........ 56
تنبیہات سلسلہ نمبر128 60
تین حج کی فضیلت 60
تنبیہات سلسلہ نمبر129 62
قربانی فرد پر یا گھر پر........ 62
تنبیہات سلسلہ نمبر130 68
منی، عرفات میں نماز قصر یا مکمل 68
تنبیہات سلسلہ نمبر 131 73
ایام حج کی کچھ دعائیں اور اعمال 73
تنبیہات سلسلہ نمبر 132 78
شب عرفہ کی دعا 78

تعارف

مفتی عبدالباقی اخونزادہ صاحب نے ۱۹۹۴ میں جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی سے درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کی۔ جس کے بعد ۱۹۹۴۔۱۹۹۵ میں اس ہی ادارے سے تخصص فی الفقہ کیا۔ بعد ازاں ۲۰۰۱۔۲۰۰۴ تک جامعہ دارلعلوم کراچی سے تمرینِ افتاء کیا اور وفاقی اردو یونیورسٹی سے تاریخِ اسلام میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت مفتی صاحب جامعہ اسلامیہ رضیہ للبنات۔ سائیٹ کراچی میں مہتمم کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ مفتی صاحب واٹس ایپ کے گروپس میں شرعی سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔
اور مفتی صاحب کی یوٹیوب کے چینل پر مختلف سوالات کے جوابات اپلوڈ کیئے جاتے ہیں۔

Mufti Online by Mufti Abdul Baqi

http://YouTube.com/c/MuftiOnlineByMuftiAbdulBaqi

مفتی صاحب کے ٹیلی گرام چینل کا لنک

http://T.me/muftionlinebymuftiabdulbaqi

مفتی صاحب کا واٹس ایپ نمبر

+92-333-8129000

پیش لفظ

یہ کتاب مفتی عبد الباقی اخونزادہ صاحب کی طرف سے اہم موضوعات اور احادیث کی صداقت کے حوالے سے کوششوں کا نتیجہ ہے۔ وہ اہم موضوعات اور احادیث جو کہ دورِ حاضر میں خصوصاً سوشل میڈیا پر زبان زدِ عام ہیں ان کی تحقیق کی گئی ہے کہ آیا وہ صحیح ہیں یا غلط۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ اکثر اوقات سوشل میڈیا پر شیئر کیئے جانے والے موضوعات اور احادیث کی جب تحقیق کی جاتی ہے تو وہ ضعیف، غیر مستند اور من گھڑت ہوتی ہیں۔ جس سے عوام الناس لاعلمی کے باعث جھوٹ کے پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اس ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مفتی صاحب نے یہ سلسلہ شروع کیا تا کہ عام مسلمان اور خصوصاً علماء کرام اس کتاب سے استفادہ حاصل کریں۔ اس کتاب میں مفتی صاحب کی اہم موضوعات اور احادیث کی حوالے سے کی گئی تحقیق کو شامل کیا گیا ہے۔ اگر آپ احباب میں سے کسی کو اس کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو براہ مہربانی اس کی نشاندہی ضرور فرمائیں۔

تنبیہات سلسلہ نمبر32

خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا کرنا

سوال: ہمارے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے، اس پہلی نظر سے کیا مراد ہے اور کیا یہ روایت صحیح ہے؟

الجواب باسم ملھم الصواب

واضح رہے کہ خانہ کعبہ کے قریب دعا مانگنے کے بارے میں تین طرح کی روایات منقول ہیں:

1. خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دعا مانگنا.
2. مطلقا خانہ کعبہ کو دیکھنا.
3. خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا مانگنا.

1) پہلی نظر کی دعا

اسکے متعلق تو صراحتا ایسی کوئی روایت منقول نہیں جس میں پہلی نظر کی دعا کا ذکر ہو البتہ مطلقا خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا کرنے کی روایات موجود ہیں لیکن یہ جتنی روایات منقول ہیں وہ تمام روایات سند کے اعتبار سے بہت کمزور ہیں.

- عن أبي أمامة الباهلي ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: "تفتح أبواب السماء ويستجاب الدعاء في أربعة مواطن: .....وعند رؤية الكعبة."
  -رواه الطبراني في المعجم الكبير (8/199-201)
  -والبيهقي في السنن الكبرى (3/360)، ومعرفة السنن والآثار (5/186-187)
  كلاهما من طريق الوليد بن مسلم.
- حدثنا عفير بن معدان عن سليم بن عامر عن أبي أمامة...
  وفي الإسناد (عفير بن معدان الحمصي المؤذن)
  قال فيه الإمام احمد: ضعيف منكر الحديث.

وقال ابن معين: ليس بثقة.

وقال البخاري: منكر الحديث.

وقال أبو زرعة الرازي: منكر جداً.

وقال أبو حاتم: ضعيف الحديث، يكثر الراوية عن سليم بن عامر عن أبي أمامة عن النبي ﷺ بالمناكير ما لا اصل له، لا يش عفير بن معدان تغل برو ايته.

-التاريخ الصغير: 161/2

-سؤالات البرذعي لأبي زرعة 372/2

-الجرح والتعديل: 36/7

-تهذيب الكمال: 176/20-179

-ميزان الاعتدال 83/3.

وقال الهيثمي في مجمع الزو ائد (155/10): [وفيه عفير بن معدان، مجمع على ضعفه.}

وقال ابن حجر في نتائج الأفكار(393/1): [هذا حديث غريب}

وقال المحدث الألباني في ضعيف الجامع(رقم2465): [ضعيف جداً.}

2) بیت اللہ کو دیکھنا

بیت اللہ کو دیکھنا عبادت ہے۔ اس کے بارے میں بھی روایات اگرچہ ضعیف ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ بیت اللہ کو دیکھنا عبادت ہے اور دوران عبادت یا عبادت کے بعد دعا کی قبولیت ہوتی ہے۔

- وقال ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعا:

"إن الله ينزل على أهل هذا المسجد -مسجد مكة- في كل يوم عشرين ومائة رحمة: ستين للطائفين، وأربعين للمصلين، وعشرين للناظرين."

أخرجه الأزرقي في أخبار مكة (ص256) والحارث بن أبي أسامة في مسنده (389 بغية) بسند حسن مرفوعا، وفيه عنعنة ابن جريج عن عطاء، ولا تضر، لما رواه ابن أبي خيثمة بسند صحيح عن ابن جريج قال: "إذا قلت قال عطاء، فأنا سمعته منه وإن لم أقل سمعت"، وحسنه المنذري والدمياطي والعراقي والسخاوي كما في الإتحاف(2722/4) وغيره، وله أسانيد أخرى ضعيفة وواهية لا نشتغل بذكرها، والله الموفق والمستعان.

- وقال عطاء ومجاهد وأحمد بن حنبل: "النظر إلى البيت عبادة."

ماخوذ من:

-شعب الإيمان للبيهقي (3761/7)

-مصنف عبد الرزاق (135/5) وغيرهما.

- عن مكحول قال: قال رسول الله ﷺ: "خمس من العبادة: .... والنظر إلى الكعبة عبادة" ....الحديث.

  رواه الفاكهي في أخبار مكة (200/1) عن مكحول مرسلاً.

  وفي إسناده أيضا (إسحاق بن إبراهيم الطبري)

  قال فيه الدارقطني و ابن عدي: منكر الحديث.

  وقال ابن حبان: منكر الحديث جداً، يأتي عن الثقات بالموضوعات.

  [ميزان الاعتدال 177/1-178، لسان الميزان 344/1 ، 345]

  وفيه عنعنة بقية بن الوليد، وهو يدلس تدليس التسوية.

  فيكون في هذا الإسناد:

  ١ .علة الإرسال.

  ٢ .والراوي المنكر إسحاق بن إبراهيم.

  ٣ .عنعنة بقية بن الوليد.

- عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما يقول: "النظر إلى الكعبة محض الإيمان."

  رواه الأزرقي في أخبار مكة (9/2) عن عطاء به موقوفاً.

  وفي إسناده (ياسين بن معاذ الزيات)

  قال ابن معين: ليس بشيء.

  قال البخاري: منكر الحديث.

  قال النسائي و ابن الجنيد: متروك.

  قال ابن عدي: رو ايته أو عامتها غير محفوظة.

  [ميزان الاعتدال: 358/4-359]

  (لسان الميزان 238/6-239)

  وفي إسناده (عثمان بن عمرو بن ساج)

  ضعيف كما في التقريب لابن حجر.

3) خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا کرنا.

خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا مانگنا اور دعا کی قبولیت صحیح روایات سے ثابت ہے.

☆ الدعاء عنده مستجاب، وما يقول عنده.

قال شيخ الإسلام ابن تيمية:

والدعاء مستجاب عند نزول المطر وعند التحام الحرب وعند الأذان والإقامة وفي أدبار الصلوات وفي حال السجود ودعوة الصائم ودعوة المسافر ودعوة المظلوم وأمثال ذلك فهذا كله مما جاءت به الأحاديث المعروفة في الصحاح والسنن والدعاء بالمشاعر كعرفة ومزدلفة ومنى والملتزم ونحو ذلك من مشاعر مكة والدعاء بالمساجد مطلقاً وكلما فضل المسجد كالمساجد الثلاثة كانت الصلاة والدعاء فيه أفضل.

"مجموع الفتاوى" [27/129-130]

وقال :

وإنْ أحبَّ أنْ يأتيَ الملتزم -وهو ما بين الحجر الأسود والباب- فيضع عليه صدره ووجهه وذراعيه وكفيه ويدعو ويسأل الله تعالى حاجته فعل ذلك وله أنْ يفعل ذلك قبل طواف الوداع فإنَّ هذا الالتزام لا فرق بين أنْ يكون حالَ الوداع أو غيره، والصحابة كانوا يفعلون ذلك حين دخول مكة، وإنْ شاء قال في دعائه الدعاء المأثور عن ابن عباس: اللهمَّ إني عبدك و ابن عبدك و ابن أمتك حملتني على ما سخرتَ لي مِن خلقك وسيرتَني في بلادك حتى بلغتَني بنعمتِك إلى بيتِك وأعنتَني على أداء نسكي فإنْ كنتَ رضيتَ عني فازدَدْ عني رضا وإلا فمِن الآن فارضَ عني قبل أنْ تنآى عن بيتك داري فهذا أوان انصرافي إنْ أذنتَ لي غير مستبدلٍ بك ولا ببيتِك ولا راغبٍ عنك ولا عن بيتِك اللهمَّ فأصحبني العافيةَ في بدني والصحةَ في جسمي والعصمة في ديني وأحسن منقلبي وارزقني طاعتك ما أبقيتَني واجمع لي بين خيري الدنيا والآخرة إنك على كل شيء قدير.

ولو وقف عند الباب ودعا هناك من غير التزام للبيت كان حسناً.

"مجموع الفتاوى" [26/142-143}

- علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مقامات دعا کی قبولیت کے مقامات ہیں، اس موقع پر دعا مانگنا صحابہ سے ثابت ہے اور وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر دعا مانگا کرتے تھے.

■خانہ کعبہ سے چمٹنے کا مقام

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ خانہ کعبہ سے چمٹنا عبادت ہے تو اب وہ کونسا مقام ہے کہ جو اس عمل کیلئے مخصوص کیا گیا ہے.

ملتزم کے متعلق مختلف روایات وارد ہیں:

١ . حجر اسود اور دروازے کے درمیان

مشہور قول کے مطابق خانہ کعبہ سے چمٹنے کی جگہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کی جگہ ہے.

ما جاء أنه ما بين الباب والركن:

- **عن ابن عباس قال: الملتزم ما بين الركن والباب.**
- **عن الشيباني قال: رأيت عمرو بن ميمون وهو ملتزم ما بين الركن والباب.**
- **عن مجاهد قال: كانوا يلتزمون ما بين الركن والباب ويدعون .**
- **عن محمد بن عبد الرحمن العبدي قال: رأيت عكرمة بن خالد و أباجعفروعكرمة مولى ابن عباس يلتزمون ما بين الركن وباب الكعبة ور أيتهم ما تحت الميزاب في الحجر .**
- **عن حنظلة قال: رأيت سالما وعطاء وطاوسا يلتزمون ما بين الركن والباب.**

رواها ابن أبي شيبة في "المصنف" (236/3)

حديث عبد الله بن عمرو:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه قال: طفت مع عبد الله فلما جئنا دبر الكعبة قلت: ألا تتعوذ؟ قال: نعوذ بالله من النار، ثم مضى حتى استلم الحجر، و أقام بين الركن والباب، فوضع صدره ووجهه وذراعيه وكفيه هكذا وبسطهما بسطا، ثم قال: هكذا رأيت رسول الله ﷺ يفعله.

-رواه أبو داود (1899)

-ابن ماجه (2962) والبيهقي (93/5)

وفيه: المثنى بن الصباح.

ضعَّفه الإمام أحمد و ابن معين الترمذي والنسائي وغيرهم .

[انظر"تهذيب الكمال" (203/27)]

قلت: والحديثان يشهد كلٌّ منهما للآخر.

وقد صححه الشيخ الألباني في "السلسلة الصحيحة" (2138) بشاهدين:

١ .مرفوع: وهو حديث عبد الرحمن بن صفوان.

٢ .موقوف: وهو أثر ابن عباس –عند عبد الرزاق و ابن أبي شيبة "الملتزم بين الركن والباب."

٢ . خانہ کعبہ سے چمٹنے کی جگہ میزاب کے نیچے

ما جاء في التزام ما تحت الميزاب:

ألف: عن محمد بن عبد الرحمن العبدي قال: رأيت عكرمة بن خالد و أبا جعفر وعكرمة مولى ابن عباس يلتزمون ما بين الركن وباب الكعبة ور أيتهم ما تحت الميزاب في الحجر.

رواها ابن أبي شيبة في "المصنف" (236/3)

ب: قال المرداوي:

قوله: (وإذا فرغ من الوداع: وقف في الملتزم، بين الركن والباب) وهذا بلا نزاع بين الأصحاب.

¤وذكر أحمد: أنه يأتي الحطيم أيضا وهو تحت الميزاب فيدعو.

"الإنصاف" (53/4)

☆ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین میزاب رحمت کے نیچے بھی خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا مانگا کرتے تھے.

٣ .خانہ کعبہ کی پچھلی طرف چمٹنا

رکن یمانی کی جانب یعنی خانہ کعبہ کے دروازے کی پچھلی طرف چمٹنا بھی روایات سے ثابت ہے.

ما جاء فيمن كان يلتزم دبر الكعبة .

1) حدثنا أبو بكر قال حدثنا وكيع عن سفيان عن أبي إسحاق قال: رأيت عمرو بن ميمون يلتزم دبر الكعبة.

2) حدثنا أبو بكر قال حدثنا وكيع عن نافع بن عمر عن ابن أبي مليكة عن عمر بن عبد العزيز أنه أتى دبر الكعبة يستعيذ.

3) حدثنا أبو بكر قال حدثنا معن بن عيسى عن محمد بن صالح قال: رأيت القاسم يلتزم خلف الكعبة.

4) حدثنا أبو بكر قال حدثنا أبو يحيى الرازي عن حنظلة قال: رأيت القاسم يتعوذ في دبر الكعبة ويقول: اللهم إني أعوذ بك من بأسك ونقمتك وسلطانك.

5) حدثنا أبو بكر قال حدثنا معن بن عيسى عن ثابت بن قيس قال: رأيت نافع بن جبير يلتزم ما بين الحجر والباب وخلف الكعبة، كل قد رأيته.

6) حدثنا أبو بكر قال حدثنا ابن عيسى عن خالد بن أبي بكر قال: رأيت عبيد الله بن عبد الله يلتزم خلف الكعبة مما يلي المغرب يلصق بها صدره.

7) حدثنا أبو بكر قال حدثنا حميد بن عبد الرحمن عن حسن عن أبي إسحاق قال: رأيت عمرو بن ميمون قد التزم الكعبة وألصق بطنه من مؤخرها من الجانب الذي يلي الركن اليماني.

8) حدثنا أبو بكر قال حدثنا وكيع عن إسرائيل عن جابر عن عبدالرحمن بن الأسود أن أباه كان يلتزم دبر الكعبة.

9) حدثنا أبو بكر قال حدثنا عبدالله بن إدريس عن الأعمش قال: رأيت أبابكر بن عبد الرحمن يلتزم مؤخر الكعبة.

مصنف ابن أبي شيبة" (237/3، 238)

اس جانب سے خانہ کعبہ سے چمٹنا اور دعا مانگنا اکابرین امت سے ثابت ہے۔

۴. جہاں جگہ مل جائے وہاں خانہ کعبہ سے چمٹنا

والقول الرابع: هو جواز التزام كل بقعة في بناء الكعبة، والعجيب أن هذا مع عدم شهرته له ما يؤيده من صحيح السنة المرفوعة، وهو يدل على أن فعل الصحابة والسلف لم يكن بقصد التخصيص، بل حسبما اشتهر أو تيسر لهم.

ألف: عن أسامة بن زيد قال: دخلت مع رسول الله ﷺ البيت فجلس فحمد الله و أثنى عليه وكبر وهلل، ثم قام إلى ما بين يديه من البيت، فوضع صدره عليه وخده ويديه، ثم هلل وكبَّر ودعا، ثم فعل ذلك بالأركان كلها، ثم خرج فأقبل على القبلة وهو على الباب، فقال: هذه القبلة، هذه القبلة مرتين أو ثلاثة.

ب: وعن أسامة بن زيد ثم أنه دخل هو ورسول الله ﷺ البيت فأمر بلالا فأجاف الباب والبيت إذ ذاك على ستة أعمدة فمضى حتى أتى الاسطوانتين اللتين تليان الباب باب

الكعبة، والحاصل فحمد الله و أثنى عليه وسأله واستغفره ثم قام حتى أتى ما استقبل من دبر الكعبة فوضع وجهه وجسده على الكعبة فحمد الله و أثنى عليه وسأله واستغفره ثم انصرف حتى أتى كل ركن من أركان البيت فاستقبله بالتكبير والتهليل والتسبيح والثناء على الله عز وجل والاستغفار والمسألة ثم خرج فصلى ركعتين خارجا من البيت مستقبل وجه الكعبة ثم انصرف فقال هذه القبلة هذه القبلة.

-مسند أحمد (147/36)، (36 / 152،151)

-والنسائي (2915) و (2917)

-وصححه ابن خزيمة (3004) و (3005)

قال الشوكاني:

قوله: "ثم فعل ذلك بالأركان كلها" فيه دليل على مشروعية وضع الصدروالخد على جميع الأركان مع التهليل والتكبيروالدعاء.

"نيل الأوطار" (105/5)

وهذا الفعل منه ﷺ وإن كان داخل الكعبة فالظاهر أنه لا فرق بينه وبين خارجها، ولعل هذا أن يكون مستند الصحابة والسلف في فعلهم، والله أعلم.

تخريج أشهر ما ورد فيه مرفوعاً وموقوفاً.

ألف: حديث عبد الرحمن بن أبي صفوان:

عن عبد الرحمن بن صفوان قال: لما فتح رسول الله ﷺ مكة قلت: لألبسن ثيابي، وكانت داري على الطريق فلأنظرن كيف يصنع رسول الله ﷺ، فانطلقت فرأيت النبي ﷺ قد خرج من الكعبة هو وأصحابه وقد استلموا البيت من الباب إلى الحطيم وقد وضعوا خدودهم على البيت ورسول الله ﷺ وسطهم.

-رواه أبو داود (1898)

-وأحمد (15124)

-والبيهقي (92/5)

وفيه: يزيد بن أبي زياد، ضعَّفه ابن معين و أبوحاتم و أبو زرعة وغيرهم.

انظر "الجرح والتعديل" (265/9))

آپ ﷺ کا اپنے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لا کر بغیر کسی تخصیص اور تعین کے خانہ کعبہ سے چمٹنا اور اپنا گال خانہ کعبہ پر رکھنا اور دعا مانگنا صحیح روایات سے ثابت ہے ۔

- **دعا کب مانگنی چاہیئے**

اس کے متعلق صحابہ اور اکابرین امت کا معمول مختلف رہا ہے۔ بعض حضرات مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا مانگتے تھے اور بعض حضرات مکہ سے رخصت ہوتے وقت چمٹ کر دعا مانگتے تھے۔

ورد ما يدل على أنه يفعل عند القدوم، وعند الوداع، وفي كل وقت، والأكثر من الصحابة على الأول، ومن الفقهاء على الثاني، ومن السلف على الثالث.

- **دخول مکہ کے وقت دعا مانگنا**

- قال شيخ الإسلام ابن تيمية:

وإن أحب أن يأتي الملتزم وهو ما بين الحجر الأسود والباب فيضع عليه صدره ووجهه وذراعيه وكفيه ويدعو ويسأل الله تعالى حاجته: فعل ذلك، وله أن يفعل ذلك قبل طواف الوداع؛ فإن هذا الالتزام لا فرق بين أن يكون حال الوداع، أو غيره، والصحابة كانوا يفعلون ذلك حين يدخلون مكة. "مجموع الفتاوى" (142/26)

- **أمام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا عمل**

امام اعظم رحمہ اللہ جب مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو پہلے طواف کرتے پھر اس کے بعد خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا مانگتے تھے۔

- وقال الكاساني:

وذكر الطحاوي في مختصره عن أبي حنيفة أنه إذا فرغ من طواف الصدر يأتي المقام فيصلي عنده ركعتين ثم يأتي زمزم فيشرب من ماءها، ويصب على وجهه ورأسه ثم يأتي الملتزم، وهو ما بين الحجر الأسود والباب، فيضع صدره وجبهته عليه، ويتشبث بأستار الكعبة، ويدعو ثم يرجع.
"بدائع الصنائع" (161/2)

- **أمام شافعی رحمہ اللہ کا عمل**

امام شافعی رحمہ اللہ مکہ سے رخصت ہوتے وقت خانہ کعبہ سے چمٹنے کو پسند فرماتے تھے۔

- وقال الامام الشافعي رحمه الله:

  وأحب له إذا ودع البيت أن يقف في الملتزم وهو بين الركن والباب فيقول: اللهم إن البيت بيتك والعبد عبدك.....

- **علماء حرمین کا موقف**

علامہ ابن عثیمین فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں حضور اکرم ﷺ سے ثابت کوئی عمل تو نہیں ملتا البتہ بعض صحابہ کا عمل ضرور ملتا ہے، لہذا اس طرح کسی بھی موقع پر کسی کو تنگی اور اذیت دیئے بغیر کعبے سے چمٹنے میں کوئی حرج نہیں.

- قال الشيخ ابن العثيمين:

  وهذه مسألة اختلف فيها العلماء مع أنها لم ترد عن النبي ﷺ، وإنما عن بعض الصحابة رضي الله عنهم، فهل الالتزام سنة؟ ومتى وقته؟ وهل هو عند القدوم، أو عند المغادرة، أو في كل وقت؟

  وسبب الخلاف بين العلماء في هذا: أنه لم ترد فيه سنة عن النبي ﷺ، لكن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يفعلون ذلك عند القدوم.

  والفقهاء قالوا: يفعله عند المغادرة فيلتزم في الملتزم، وهو ما بين الركن الذي فيه الحجر والباب...

  وعلى هذا: فالالتزام لا بأس به ما لم يكن فيه أذية وضيق.

  "الشرح الممتع" (7/402، 403)

خلاصہ کلام

اگرچہ پہلی نظر کے متعلق روایات ثابت نہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ جب انسان پہلی بار خانہ کعبہ کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایک ہیبت، خوف اور شوق کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام کیفیات دعا کی قبولیت کیلئے مطلوب ہیں، لہذا اگرچہ اس وقت

دعا کے مانگنے کو سنت عمل نہ کہا جائے لیکن دعا ضرور مانگنی چاہیئے، اور یہ صرف پہلی نظر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جب بھی خانہ کعبہ پر نظر پڑے انسان پر کیفیت طاری ہونی چاہیئے اور اللہ تعالی سے دعا مانگنی چاہیئے.

- هل يصح أن للإنسان دعوة مستجابة عند أول رؤية له للكعبة الشريفة؟
- قال العلامة المناوي رحمه الله في فيض القدير: (وعند رؤية الكعبة: يحتمل أن المراد أول ما يقع عليها بصر القادم إليها، ويحتمل أن المراد ما يشمل دوام مشاهدتها...
- قال الغزالي: شرف الأوقات يرجع بالحقيقة إلى شرف الحالات.

والخلاصة:

لم يصح حديث في استجابة الدعاء عند أول رؤية للكعبة، إلا أن ذلك الموقف مهيب حقا تخشع فيه القلوب، فنرجو أن يكون هذا الموقف وتلك الحالة من مواطن استجابة الدعاء.

واللہ تعالی أعلم

كتبه: عبد الباقي اخونزاده

تنبیہات سلسلہ نمبر 54

مسجد عائشہ سے عمرہ کرنا

سوال: ایک بات بہت کثرت سے گردش کررہی ہے کہ مسجد عائشہ سے عمرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور بعض لوگ اس سلسلے میں کافی سختی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس کو صرف شرعی عذر والی عورت کا میقات قرار دیتے ہیں.

الجواب باسمہ تعالی

اس مسئلے کے متعلق تین اقوال موجود ہیں:

۱. ہر بار عمرے کیلئے حدود حرم سے نکلنا ضروری ہے. (یہ قول جمہور امت کا متفقہ قول ہے)

۲. ایک سفر میں ایک عمرہ کیا جائے، اگر دوسرا عمرہ کرنا ہے تو میقات پر جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر آجائے. (یہ علامہ البانی کا قول ہے جو ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم رحمہا اللہ کی طرف منسوب ہے).

۳. میقات سے بیک وقت کئی عمروں کی نیت کی جائے اور پھر ہر عمرے کے بعد اپنے کمرے سے عمرے کی نیت کرے. (یہ قول موجودہ زمانے کے بعض علماء کی طرف منسوب ہے)

جمہور کا قول اور دلیل:

واضح رہے کہ جو شخص مکہ میں ہو اور وہ عمرہ کرنا چاہے تو اس کیلئے حدود حرم سے نکلنا ضروری ہے اور حدود حرم مختلف مقامات کی طرف مختلف ہیں، مثلا: تنعیم یعنی مسجد عائشہ، صلح حدیبیہ، عرفات، جعرانہ، وغیرہ، لہذا اگر کوئی شخص ان مقامات میں سے کسی طرف بھی نکل جائے اور احرام باندھ لے تو اس کا احرام درست ہو گا.

حدیث سے دلیل:

عن عائشة ﵂ قالت: قُلْتُ يَارَسُولَ اللَّهِ! يَصْدُرُ النَّاسُ بِنُسُكَيْنِ وَأَصْدُرُ بِنُسُكٍ وَاحِدٍ، قَالَ: "انْتَظِرِي فَإِذَا طَهَرْتِ فَاخْرُجِي إِلَى التَّنْعِيمِ فَأَهِلِّي مِنْهُ ثُمَّ الْقَيْنَا عِنْدَ كَذَا وَكَذَا قَالَ أَظُنُّهُ قَالَ غَدًا وَلَكِنَّهَا عَلَى قَدْرِ نَصَبِكِ أَوْ قَالَ نَفَقَتِكِ."

[أخرجه البخاري في كتاب العمرة، باب أجر العمرة على قدر النصب، رقم (1787) 541/1، ومسلم (1211) 877،876/2.]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ السلام نے تنعیم بھیج کر عمرے کی نیت کروائی.

صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل:

قال يحيى بن يحيى الليثي: حدثني عن مالك عن هشام بن عروة عن أبيه أنه رأى عبدالله بن الزبير أحرم بعمرة من التنعيم، قال: ثم رأيته يسعى حول البيت الأشواط الثلاثة.

[أخرجه مالك في الموطأ رقم (813) 365/1 وسنده صحيح.]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کررہے ہیں.

وأما ما روي عن ابن عباس أنه قال" :ياأهل مكة! من أراد منكم العمرة فليجعل بينه وبينها بطن محسر."

وقال أيضا: من أراد من أهل مكة أن يعتمر خرج إلى التنعيم ويجاوز الحرم .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اہل مکہ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر عمرہ کرنا ہے تو مکے سے نکل جاؤ چاہے تنعیم سے ہی عمرہ کرلو.

تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھنے پر امت کا اجماع:

أما الإجماع : قال ابن قدامة رحمه الله: أن ميقات العمرة لمن كان بمكة سواء من أهلها أو ممن قدموا عليها هو الحل، وقال: لا نعلم في هذا خلافاً."

("المغني" لابن قدامة 111/3).

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ متفقہ بات ہے کہ اہل مکہ کیلئے عمرے کا میقات "حل "ہے.

قال ابن عبدالبر رحمه الله: ولا تصح العمرة عند الجميع إلا من الحل المكي وغير المكي، فإن بعد كان أكثر عملاً و أفضل، ويجزئ أقل الحل وهو التنعيم، وذلك أن يحرم بها من الحل فأقصاه المو اقيت وأدناه التنعيم، وهذا مما لا خلاف فيه ."

("الإستذكار" لابن عبد البر 256/11)

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ مکی شخص کیلئے عمرے کا احرام حل سے باندھنا ضروری ہے، البتہ جتنی دور سے باندھے گا بہتر ہے، لیکن اگر تنعیم سے باندھ لے تو کوئی حرج نہیں.

قال الشيخ محمد الأمين بن محمد المختار الشنقيطي رحمه الله: أهل مكة يحرمون بالعمرة من الحل باتفاق الأئمة الأربعة وأصحابهم وحكى عليه غير واحد الإجماع.

("أضواء البيان "في تفسير القرآن بالقرآن، للشيخ محمد الأمين الشنقيطي 328/5) .

امین شنقیطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل مکہ کیلئے حل سے احرام باندھنا چاروں مذاہب کا متفقہ فیصلہ ہے.

اجماعی اقوال:

وهو قول جمع من الصحابة، والتابعين: منهم عائشة، وعلي، وابن عباس، وأنس بن مالك، وأم الدرداء، وجابر بن عبدالله، وابن عمر، وعبدالله بن الزبير، وعكرمة، والقاسم بن محمد، ورواية عن سعيد بن جبير ومجاهد وعطاء وطاووس، وروي عن جمع من الصحابة والتابعين ممن كانوا مع عبدالله بن الزبير وقت بنائه للكعبة في أيام خلافته ولم ينقل عن أحد من الصحابة أنه خالفهم في ذلك إلا ما روي عن ابن عمر في رواية، بل وكل من كان بمكة وأراد العمرة فميقاته الحل بإجماع الأمة كما سبق، واتفق الأئمة الأربعة وأصحابهم على جواز الإحرام بالعمرة من التنعيم لمن كان بمكة سواء من أهل مكة أو قادم عليها من الآفاق وطرأت عليه نية العمرة.

مصنف ابن أبي شيبة في المصنف 3/157-158، 129،

والمبسوط للسرخسي 17/4، 29. 30،

والهداية شرح البداية 126/1،

وبدائع الصنائع للكاساني 166/2،

والبحر الرائق لابن نجيم 43/3،

والموطأ لمالك 347/1،

والاستذكار لابن عبد البر 255/11،

والمدونة الكبرى لمالك 500/2،

وشرح الزقاني على الموطأ 354/2،

والتاج الإكليل للمواق 28/3، 137،

والفواكه الدواني للنفراوي 352/1،

والأم للشافعي 133/2

فقہائے کرام کے اقوال:

قال الشيخ الشنقيطي رحمه الله في المجلد الخامس من "أضواء البيان":

وأما إهلال المكي بالعمرة، فجماهير أهل العلم على أنه لا يهل بالعمرة من مكة، بل يخرج إلى الحل، ويحرم منه، وهو قول الأئمة الأربعة وأصحابهم، وحكى غير واحد عليه الإجماع.

☆جمہور امت کا متفقہ اجماع اس بات پر ہے کہ عمرے کے احرام کیلئے حل میں نکلنا لازمی ہے.

قال صاحب "تبيين الحقائق "شرح كنز الدقائق في الفقه الحنفي: الوقت لأهل مكة الحرم في الحج، والحل في العمرة للإجماع على ذلك.

یہی بات فقہ حنفی میں بھی ہے.

وقال ابن قدامة في "المغني "في الكلام على ميقات المكي: وإن أراد العمرة فمن الحل، لا نعلم في هذا خلافاً.

یہی قول حنابلہ کا بھی ہے.

وقال ابن حجر في "فتح الباري "في الكلام على ميقات أهل مكة: وأما المعتمر فيجب عليه أن يخرج إلى أدنى الحل.

یہی قول شوافع کا بھی ہے.

سعودی مجلس کبار العلماء کا فتوی:

سعودی عرب کے سب سے بڑے دارالافتاء سے یہ فتوی جاری ہوا ہے کہ تنعیم یعنی مسجد عائشہ سے عمرہ کرنا بلکل درست ہے.

وقد أفتت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء بالمملكة العربية السعودية بجواز الاعتمار من التنعيم، وهذا نص السؤال:

السؤال الرابع من الفتوى رقم (11638)

السؤال ٤:

ما حكم من أخذ عمرة لوالده بعد أن أخذ عمرة لنفسه، وأعاد عمرة أبيه من مكان الإحرام بمكة المكرمة (التنعيم)، هل عمرته صحيحة أم عليه أن يحرم من الميقات الأصلي؟

الجواب ٤:

إذا أخذت عمرة لنفسك ثم تحللت منها وأردت أن تأخذ عمرة لأبيك إذا كان ميتاً أو عاجزاً؛ فإنك تخرج إلى الحل كالتنعيم، وتحرم بالعمرة منه ولا يجب عليك السفر إلى الميقات. (وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم) .

(اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء)

(الرئيس نائب رئيس اللجنة عضو، عبدالعزيز بن عبدالله بن باز ، عبدالرزاق عفيفي ، عبدالله بن غديان)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتوی:

السؤال: ما حكم إكثار الناس العمرة بعد الحج من التنعيم والجعرانة؟

الجواب: لا حرج إذا تيسر وليس فيه زحمة ولا فيه أذى مثل ما فعلت عائشة ﵂ فقد أذن لها النبي ﷺ مع أنها اعتمرت قارنة، أما إذا كان زحام فالترك أفضل كما ترك الصحابة رضوان الله عليهم.

السؤال: وما الأفضل في ذلك؟

الجواب: إذا لم يكن هناك زحام يأخذ مائة عمرة كل ما تيسر أو يأخذ ألف عمرة كل ما تيسر مثل ما قال ﷺ" :العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما"، وهذا يعم مائة عمرة أو ألف عمرة متى ما تيسر بغير مشقة وبغير أذى الناس.

السؤال: إذا أخذ عمرة وقت أحرم من ميقاته ثم أراد أن يأخذ عمرة ثانية فهل يرجع إلى ميقاته أو من التنعيم؟

الجواب: ما دام في مكة من التنعيم مثل ما أحرمت عائشة ﵂ أو عرفة أو غيرها من الحل.

[المصدر: شرح بلوغ المرام، كتاب الحج، للشيخ ابن باز(ص:6).]

شیخ ابن باز کا فتوے ہے کہ اگر کوئی شخص تنعیم یعنی مسجد عائشہ سے عمرہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے.

کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل دلیل ہے؟

وسألت الشيخ ابن بازرحمه الله و أنا أمشي معه في بيته بمكة فقال لي: فعل عائشة يكفي في المشروعية، ولا نحتاج إلى فعل غيرها .

قلت: لأنه إرشاد و إقرار من صاحب الشرع، وهو عام لجميع المسلمين.

قَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ" :جَزَاكِ اللَّهُ خَيْرًا، فَوَاللَّهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ ذَلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا ."رواه البخاري، وفي لفظ له ولمسلم" :فَوَاللَّهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ بَرَكَةً."

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل جواز کی دلیل کیلئے کافی ہے، اور ویسے جب بھی حضرت عائشہ صدیقہ کی وجہ سے کوئی معاملہ پیش آیا ہے تو اللہ تعالٰی نے امت کیلئے اس میں سہولت کا معاملہ بنایا ہے.

خلاصہ کلام:

امت کے متقدمین اور متاخرین فقہائے کرام اور محدثین نے اہل مکہ کیلئے حل سے عمرے کو جائز قرار دیا ہے، اور تنعیم (مسجد عائشہ) بھی حل کا ایک حصہ ہے، لہذا وہاں سے عمرہ کرنا بلا کراہیت جائز ہے، اور جو لوگ ممانعت کا قول کہہ رہے ہیں ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے امت کے اجماعی قول کو رد کیا جاسکے.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالباقی اخونزادہ

۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۳۸

تنبیہات سلسلہ نمبر 60

مقام ابراہیم کو چھونا یا چومنا

مسجد حرام روئے زمین پر اللہ رب العزت کا سب سے عظیم گھر ہے جس میں اللہ رب العزت نے اپنی عظیم نشانیاں رکھی ہیں، ان ہی میں سے ایک عظیم نشانی "مقام ابراہیم" بھی ہے، جس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا: "ان اول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعالمين○ فيه آيات بينات مقام ابراهيم" سب سے پہلا گھر بیت اللہ ہے، اس میں واضح نشانیوں میں سے مقام ابراہیم ہے۔

مقام ابراہیم کی تاریخی حیثیت:

مقام ابراہیم کی تاریخی حیثیت کے بارے میں کچھ باتیں مشہور ہیں:

۱. ایک یہ کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے، اور اس پتھر پر آپ کے قدموں کے نشان ثبت ہوگئے۔

مقام ابراهيم هو "الحجر الذي كان يقف عليه، فلما ارتفع البناء عن قامته وضع له ولده هذا الحجر المشهور ليرتفع عليه لما تعالى البناء ... وقد كانت آثار قدمي الخليل عليه السلام باقية في الصخرة إلى أول الإسلام. (البداية والنهاية 163/1).

- قال ابن حجر: الْمُرَاد بِمَقَامِ ابراهيمالْحَجَر الَّذِي فِيهِ أَثَر قَدَمَيْهِ.
- وقال ابن كثير:

"وكانت آثار قدميه ظاهرة فيه ولم يزل هذا معروفا تعرفه العرب في جاهليتها، وقد أدرك المسلمون ذلك فيه أيضا، كما قال أنس بن مالك: رأيت المقام فيه أصابعه عليه السلام وأخمص قدميه؛ غير أنه أذهبه مسح الناس بأيديهم.

۲. ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر اللہ تعالی کے حکم پر لوگوں کو حج کی دعوت دی۔

ومن فضائله: أن ابراهيم عليه السلام وقف عليه كما أمره الله عزوجل وأذن في الناس بالحج.

فقد روى الفاكهي عن ابن عباس ﷺ: قال رسول الله ﷺ: «لما فرغ ابراهيمعليه السلام من بناء البيت أمره الله عزوجل أن ينادي في الناس بالحج، فقام على المقام، فقال: ياأيها الناس إن ربكم قد بنى بيتًا فحجوه.

۳. کہ تمام مشاعروہ مقام ابراہیم ہیں.

وقيل: إن مقام ابراهيمهي كل المشاعر، لكن المشهور هوالأول أنها الصخرة.

مقام ابراہیم کا مقام:

مقام ابراہیم ابتداء میں بیت اللہ سے جڑا ہوا تھااور لوگ یہیں پر طواف کی نماز پڑھتے تھے، لیکن طواف کرنے والوں کیلئے جب اس میں دقت پیدا ہونے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مقام ابراہیم کو بیت اللہ سے کچھ فاصلہ پر کر دیا گیا اور اس مقام پر لایا گیا جہاں پر آج موجود ہے. پھر بعد کے زمانوں میں اس پر ایک کمرہ بنایا گیا، لیکن جب سعودی تعمیرات شروع ہوئیں تو کمرے کو ہٹا کر اس جگہ شیشے کا خول بنایا گیا.

كانت في الأول هذه الصخرة ملاصقة للكعبة ويصلي عندها الناس فيحصل زحام بين الطائفين والمصلين، ثم في خلافة عمر بن الخطاب ﷺ فصل هذه الصخرة عن البيت وجعلها في مكانها الذي هو موجود الآن، وفي عمارات المسجد الحرام بُني عليها غرفة وجُعل عندها مكان للصلاة، ولما جاءت العمارة السعودية هدمت هذه الغرفة لتوسعة المطاف وأرادوا نقل المقام إلى مكان آخر خارج المطاف بسبب الزحام وحصل في ذلك أخذٌ ورد ما بين مجيز ومانع ولما رأوا الخلاف أخذوا رأياً وسطاً وهو أن يزال المبنى ويوضع حاجزاً زجاجياً وهو الموجود الآن.

کیا موجودہ مقام ہی مقام ابراہیم ہے؟

شیخ ابن عیثمین فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم تو یہی ہے لیکن یہ جو قدموں کے نشان ہیں اس کے بارے میں یقینا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی ہیں، بلکہ یہ تو بعد کے زمانے میں صرف علامت کے طور پر لگائے گئے ہیں، اور حضرت ابراہیم کے پیروں کے نشان زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ مٹ گئے ہیں .

وقال الشيخ ابن عثيمين:

لا شك أن مقام ابراہیم ثابت وأن هذا الذي بني عليه الزجاج هو مقام إبراهيم، لكن الحفر الذي فيه لا يظهر أنها أثر القدمين، لأن المعروف من الناحية التاريخية أن أثر القدمين قد زال منذ أزمنة متطاولة، ولكن حفرت هذه أو وضعت للعلامة فقط، ولا يمكن أن نجزم بأن هذا الحفرهو موضع قدمي ابراہیم علیه الصلاة والسلام.

مقام ابراہیم کے فضائل:

۱. سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس کے قریب نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

من فضائله: أن الله تعالى أمر المسلمين باتخاذه مصلى في الحج والعمرة، وذلك في قوله تعالى: {وَ اتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ ابراہیممُصَلًّى} (البقرة: 125)

۲. یہ جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے، اگر اللہ رب العزت اس کے نور کو ختم نہ فرماتے تو اس کی روشنی سے مشرق و مغرب چمک اٹھتے۔

ومن فضائله: أنه ياقوتة من يو اقيت الجنة.

فقد روى الإمام أحمد والترمذي و ابن خزيمة و ابن حبان والحاكم عن عبدالله بن عمرو بن العاص ﷺ أنه قال: أنشد بالله ثلاثًا ووضع أصبعه في أذنيه، لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول: «إن الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة، طمس الله نورهما، ولولا أن الله طمس نورهما لأضاءتا ما بين المشرق والمغرب.

۳. مقام ابراہیم اور حجر اسود جنت کے جواہر میں سے ہیں۔

قد رواه الأزرقي وغيره باسناد صحيح عن عبدالله بن عمرو وروي باسناد صحيح عن ابن عباس قال: ليس في الأرض من الجنة إلا الركن الأسود والمقام؛ فإنهما جوهرتان من جواهر الجنة؛ ولولا ما مسهما من أهل الشرك ما مسهما ذو عاهة إلا شفاه الله عزوجل.

مقام ابراہیم کے پاس کرنے کا عمل:

آپ علیہ السلام نے طواف کے بعد اس مقام پر دو رکعت نماز پڑھی ہے۔

وأخرج البخاري (395) عن عبدالله بن عمربن الخطاب ﷺ أنه قال:

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

وأخرج مسلم (1218) و أبوداود (1905) والنسائي (2939) والترمذي (856)

عن جابر بن عبدالله الأنصاري ﷺ أنه قال في شأن حجة الوداع مع النبي صلى الله عليه وسلم:

حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ، اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا، ثُمَّ نَفَذَ إِلَى مَقَامِ ابراہیمعَلَيْهِ السَّلَام فَقَرَأَ: {وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ ابراہیممُصَلًّى}، وكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ: {قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ} وَ {قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ}، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا.

مقام ابراہیم کو چومنا اور ہاتھ لگانا:

- عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھما نے لوگوں کو دیکھا کہ مقام ابراہیم کو ہاتھ لگا رہے تھے تو فرمایا کہ تمھیں یہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، ہاتھ لگانے کا نہیں۔

إذ قال عبدالرزاق الصنعاني رحمه الله في "مصنفه": (8958)

عن الثوري عن نُسير بن ذُعلوق: أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ رَأَى النَّاسَ يَمْسَحُونَ الْمَقَامَ فَنَهَاهُمْ، وَقَالَ: إِنَّكُمْ لَمْ تُؤْمَرُوا بِالْمَسْحِ، وَقَالَ: إِنَّمَا أُمِرْتُمْ بِالصَّلَاةِ. وإسناده صحيح.

وأخرج ابن أبي شيبة في "مصنفه" (15512) والفاكهي في "تاريخ مكة" (1004)

- عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم کو چھونا یا چومنا کوئی عمل نہیں۔

مفتي المسلمين في المناسك التابعي عطاء بن أبي رباح رحمه الله.

إذ قال عبدالرزاق الصنعاني رحمه الله في "مصنفه" (8957)

عن ابن جريج قال: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَرَأَيْتَ أَحَدًا يُقَبِّلُ الْمَقَامَ أَوْيَمَسُّهُ؟ فَقَالَ: أَمَّا أَحَدٌ يُعْتَبَرُ بِهِ فَلَا. وإسناده صحيح.

وأخرج الفاكهي في "أخبار مكة" (1005) من طريق ابن جريج نحوه.

وقال الفاكهي رحمه الله أيضاً (1006:)

حدثنا محمد بن علي الشَّقِيقِي قال: سمعت أبي يقول: أخبرنا أبوحمزة عن ابراہیمالصائغ عن عطاء: أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُقَبِّلَ الرَّجُلُ الْمَقَامَ أَوْيَمْسَحَهُ. وإسناده حسن.

- تابعی جلیل قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ پر نماز پڑھنے کا حکم ملاہے، اسکو چھونے کا حکم نہیں.

قال الإمام التابعي قتادة:

أمروا أن يصلوا (يعني: ركعتي الطواف) عنده (يعني:مقام إبراهيم)، ولم يؤمروا بمسحه.

ذكره سعيد بن أبي عروبة رحمه الله في كتاب "المناسك" (ص: 68، رقم: 23)

- مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم کو نہ تو چھونا چاہیئے اور نہ ہی چومنا چاہیئے.

التابعي مجاهد بن جبررحمه الله.

إذ قال ابن أبي شيبة رحمه الله في مصنفه"(15513)

نا ابن فضيل عن ليث عن مجاهد قال: لَا تُقَبِّلِ الْمَقَامَ، وَلَا تَلْمَسْهُ.

وليث: هو ابن أبي سليم، وهو متكلم فيه.

- امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس مقام کو چھونے کا حکم نہیں، بلکہ اس جگہ پر صرف نماز پڑھنے کا حکم ہے.

الإمامان أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه رحمهما الله إذ قال إسحاق بن منصور الكوسج رحمه الله في "مسائله عن الإمامين أحمد وإسحاق" (1541)

قلت: مس المقام؟ قال: لا يمسه.

قال إسحاق: كما قال، إنما أمر بالصلاة إليه.

- امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم کے چومنے اور چھونے کی ممانعت پر امت کا اجماع ہے.

وقال ابن تيمية: "لا يشرع تقبيل المقام ولامسحه إجماعا". (الاختيارات، ص: 175)

- امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مقام کا چومنا بدعت ہے.

وقال النووي: "لايقبل مقام ابراہیمولایستلمه؛ فإنه بدعة". (الإيضاح)

خلاصہ کلام

مقام ابراہیم کو اللہ رب العزت نے بہت بڑا اشرف عطا فرمایا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس مقام کے متعلق اپنی منشا اور اپنا حکم بھی نازل فرمایا ہے جسکو حضور علیہ السلام نے عملا کر کے بھی دکھا دیا کہ اس جگہ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جائے، یہی حکم ہے اور یہی اسوہ رسول بھی ہے.

البتہ اس کے علاوہ کئے جانے والے تمام اعمال علمائے امت کے اقوال کی روشنی میں غلط اور بدعت شمار ہوتے ہیں.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الباقی اخونزادہ

۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۳۸ مدینہ منورہ

تنبیہات سلسلہ نمبر 61

قربانی کرنے والے کے لئے بال اور ناخن کاٹنے کا حکم

گذشتہ کچھ عرصے سے اس بات کو بہت شد ومد سے چلایا جارہا ہے کہ یکم ذی الحج سے لے کر قربانی کرنے تک بال اور ناخن نہ کاٹے جائیں، اور عموما یہ دیکھا جارہا ہے کہ جو لوگ فرض نماز کی بھی پابندی نہیں کرتے وہ اس عمل کی پابندی کرتے اور کرواتے نظر آرہے ہیں، برائے مہربانی اس عمل کی شرعی حیثیت بیان فرمائیں.

الجواب باسمہ تعالی

واضح رہے کہ شریعت نے ہر عمل کی حیثیت اور حکم کو متعین کیا ہے اور اس عمل کو اسی درجے میں رکھنے کا حکم دیا ہے، نہ کسی فرض اور واجب کو نفل بنانے کی اجازت ہے اور نہ کسی نفلی عمل کو فرض یا واجب کا درجہ دینا درست ہے، لہذا اس عمل کو سب سے پہلے روایات کی روشنی میں دیکھا جائیگا.

بال اور ناخن کے متعلق وارد روایات:

اس عمل کے متعلق سب سے واضح روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے:

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

کہ تم میں سے جو شخص ذی الحج کا چاند دیکھے اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے.

عن أم سلمة ﵂ أن النبي ﷺ قال: "إذا رأيتم هلال ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فليمسك عن شعره وأظفاره."

]أخرجه مسلم في كتاب الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية أن يأخذ من شعره أو أظفاره شيئا۔رقم (1977) 1565/3.

-والترمذي وصححه في كتاب الأضاحي، باب ترك أخذ الشعر لمن أراد أن يضحي رقم (1523) 102/4.

-وابن ماجه في كتاب الأضاحي، باب من أراد أن يضحي فلا يأخذ في العشر من شعره وأظفاره رقم (3149 – 3150) 1052/2.

-وأحمد رقم (26696، 311/6)

اس عمل کی حکمت اور غرض:

۱ . اس حکم کی مصلحت یہ بیان کی گئی ہے کہ قربانی کرنے والا شخص حج کرنے والے کے ساتھ بعض اعمال میں شریک ہوتا ہے، یعنی جس طرح حاجی دم شکر کی قربانی کرتے ہیں اسی طرح یہ قربانی کرنے والا بھی خون بہارہاہے، لہذا اس پر بھی بعض احکام لاگو کئے جائیں جیسے کہ حاجی پر کچھ پابندیاں لاگو کی گئی ہیں، تو جیسے حاجی کیلئے یہ حکم ہے کہ بال اور ناخن نہ کاٹو ویسے ہی قربانی کرنے والا اس پابندی میں اس کے ساتھ شریک ہوگا۔

والحكمة في هذا النهي أنه لما كان المضحي مشاركا للمحرم في بعض أعمال النسك، وهوالتقرب إلى الله بذبح القربان كان من الحكمة أن يعطى بعض أحكامه، وقد قال الله في المحرمين: {ولا تحلقوا رؤسكم حتى يبلغ الهدي محله}

۲ . بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس پابندی کی غرض یہ ہے کہ جب قربانی کرنے والا اپنی کیفیت کو دیکھے گا تو اس کو یاد آئیگا کہ میں اللہ تعالی کا ایک عظیم حکم پورا کرنے جارہاہوں تو وہ اللہ کے ذکر میں لگ جائے گا، تسبیح و تہلیل کرنے میں مشغول ہوگا، گویا یہ حالت اسکی یاددہانی کیلئے بنائی گئی ہے۔

ويضاف إلى الحِكَمِ من النهي عن أخذ الشعر والأظفار في العشر هذه الحكمة الجليلة، وهي أن الله تعالى شرع ذلك ليكون للمضحي علامة ظاهرة في بدنه، يتذكر كلما رآها أنه في العشر فيهلل ويكبر ويجتهد في العبادة.

واللہ أعلم.

فقہائے کرام کے اقوال:

۱ . اس روایت کی بنیاد پر علماء کی ایک جماعت نے ان دس دنوں میں قربانی کرنے والوں کیلئے بال اور ناخن کاٹنے کو حرام اور ناجائز قرار دیاہے، اس قول کو امام احمد اور امام اسحاق رحمھا اللہ کی طرف منسوب کیاجاتاہے۔

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الْقَوْلِ بِظَاهِرِ الْحَدِيثِ، فَذَهَبَ قَوْمٌ إِلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِمَنْ يُرِيدُ الأُضْحِيَّةَ بَعْدَ دُخُولِ الْعَشْرِ أَخْذَ شَعْرِه وَظُفْره مَا لَمْ يَذْبَحْ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، وَبِهِ قَالَ رَبِيعَةُ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

۲ . جبکہ امام شافعی اور امام مالک رحمھما اللہ فرماتے ہیں کہ ان دس دنوں میں بال اور ناخن کاٹنا مکروہ تنزیہی ہے، حرام نہیں ہے.

(الموسوعة الفقهية الكويتية 95/5)

وقال المالكية والشافعية: يسن لمن يريد التضحية ولمن يعلم أن غيره يضحي عنه ألا يزيل شيئا من شعر رأسه أو بدنه بحلق أو قص أو غيرهما، ولا شيئا من أظفاره بتقليم أو غيره، ولا شيئا من بشرته كسلعة لا يضره بقاؤها.

المجموع للنووي 392/8،

والمغني لابن قدامة 96/11،

والشرح الصغير وحاشية الصاوي 141/2، ط: دار المعارف.

ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنی قربانی کا جانور (حاجیوں کے ساتھ حرم) بھجواتے لیکن آپ اس دوران حلال رہتے اور حلال لوگوں جیسے ہی اعمال کرتے، اور کوئی حلال چیز اپنے اوپر حرام نہیں کرتے تھے.

لہذا اس عمل کو فقط سنت قرار دیا جائیگا اور اس کے خلاف کرنے کو مکروہ تنزیہی کہا جائیگا.

قَالَ الْقَاضِي وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا: هُوَ مَكْرُوهٌ، غَيْرُ مُحَرَّمٍ. وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ؛ لِقَوْلِ عَائِشَةَ: كُنْت أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُقَلِّدُهَا بِيَدِهِ، ثُمَّ يَبْعَثُ بِهَا، وَلَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللَّهُ لَهُ، حَتَّى يَنْحَرَ الْهَدْيَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

قال الإمام الشافعي: "البعث بالهدي اكثر من إرادة التضحية، فدل أنه لا يحرم ذلك، وحمل أحاديث النهي على كراهة التنزيه."

۳ . امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ بال اور ناخن نہ کاٹنا ایک مستحب عمل ہے، اور کاٹنا مکروہ بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ عمل حاجی کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے ہے تو حاجی پر تو مکمل پابندیاں ہیں اور اس شخص پر لباس، وطی وغیرہ جیسے بڑے

اعمال منع نہیں ہیں تو بال ناخن کاٹنے کی ممانعت بھی لازمی نہیں ہے، بلکہ اختیاری ہے کہ جو چاہے نہ کاٹے اور جو چاہے کاٹ لے ۔

القول الثالث: انه لا يكره، وهو قول أبي حنيفة ومالك في رو اية.
قال الإمام أبوحنيفة: "لأنه لا يحرم عليه الوطى واللباس فلا يكره له حلق الشعر وتقليم الأظفار كما لو لم يرد أن يضحي."

اس مسئلے میں سب سے زیادہ دلچسپ صورتحال یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں امام مالک اور سعید بن مسیب دو بہت بڑے محدثین اور امام موجود ہیں، لیکن ان دونوں راویوں کا اپنا قول اور عمل اس روایت کے خلاف ہے، لہذا امام مالک اور سعید بن مسیب رحمھما اللہ دونوں حضرات ان دس دنوں میں بال اور ناخن کے کاٹنے کو حرام قرار نہیں دیتے تھے۔
(اگرچہ بعض لوگوں نے سعید بن مسیب سے حرمت کا قول نقل کیا ہے)

الحافظ أبوعمر ابن عبد البر رحمه الله: الحديث الذي رواه شعبة عن مالك بن أنس عن عمر بن مسلم بن أكيمة عن سعيد بن المسيب عن أم سلمة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا دخل العشر فأراد أحدكم أن يضحي فلا يأخذ من شعره ولا من أظفاره شيئاً". ففي هذا الحديث أنه لا يجوز لمن أراد أن يضحي أن يحلق شعراً ولا يقص ظفرا.
•وفي حديث عائشة أن رسول الله ﷺ لم يجتنب شيئا مما يجتنبه المحرم حين قلد هديه وبعث به، وهو يرد حديث أم سلمة ويدفعه ومما يدل على ضعفه ووهنه أن مالك روى عن عمارة بن عبدالله عن سعيد بن المسيب قال: لا بأس بالإطلاء بالنورة في عشر ذي الحجة، فترك سعيد لاستعمال هذا الحديث وهو راويته دليل على أنه عنده غير ثابت أو منسوخ.
وقد أجمع العلماء على أن الجماع مباح في أيام العشر لمن أراد أن يضحي، فما دونه أحرى أن يكون مباحا.

خلاصہ کلام

جو شخص عید الاضحی کی قربانی کرنا چاہتا ہو (چاہے وہ خود اپنی طرف سے قربانی کرے یا اس کی طرف سے کوئی اور کرے) صرف اسی شخص کیلئے یہ مستحب ہے کہ ذی الحج کا چاند نظر آنے کے بعد اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے، لیکن یہ حکم نہ فرض ہے نہ واجب، اور نہ ہی قربانی کرنے والے کے علاوہ کسی اور پر لازم ہے.

ایسے ہی حج ادا کرنے والے وہ حضرات جو حج کے موقعے پر دم شکر کے علاوہ اپنے وطن کی قربانی نہیں کرنا چاہتے ان کیلئے بھی یہ حکم نہیں ہے.

اسی طرح وہ حضرات جو ان دس دنوں میں عمرہ کر رہے ہوں تو ان کے ذمے حلق کرنا (یعنی سر کے بالوں کا منڈوانا) واجب ہے، وہ اپنے اس عمل کو بلا کراہت ادا کریں اگر چہ انہیں قربانی کرنی ہو.

لہذا جو بھی مرد یا عورت یا بچہ قربانی کرنا چاہے اس کیلئے اس عمل کو کرنا مستحب ہے.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الباقی اخونزادہ

۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۸ مکہ مکرمہ

تنبیہات سلسلہ نمبر62

ذی الحج کی خصوصی دعا

سوال: گذشتہ کئی روز سے مندرجہ ذیل پوسٹ گردش کررہی ہے اور اس عمل کو پھیلایا جارہا ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟

ذی الحج کی ۷،۸،۹ اور ۱۰ تاریخ کو خاص اولاد کے حق میں دعا مانگنی ہے۔ کیونکہ ان دنوں میں حضرت ابراہیم ﷺ نے اپنی اولاد کے لیے دعا مانگی تھی اور اللہ تبارک وتعالی نے قبول فرمائی تھی۔ اولاد کی زندگی، صحت، مال اور عزت میں برکت کے لئے دعا کرنی ہے۔ اولاد کے اچھے نصیب اور نیک جوڑے کے لیے دعا کرنی ہے۔ ہر ماں باپ یہ عمل ضرور کریں.

۱. حج کے دن 4:30 سے 5:30 بجے کے درمیان کا وقت قبولیت کا وقت ہے۔

۲. 447 بار اللّٰھم لبیک۔

۳. 21 بار اول و آخر درودِ ابراہیمی.

پھر کوئی بھی جائز دعا کریں، ان شاءاللہ عزوجل وہ دعا ضرور قبول ہوگی۔

الجواب باسمہ تعالی

واضح رہے کہ ذی الحج کے دس دن ان افضل ترین ایام میں سے ہیں جن کی اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں قسم اٹھائی ہے:

والفجر وليال عشر

اور حضور علیہ السلام نے ان دس دنوں کو افضل ترین ایام فرمایا ہے.

ما مِن أيَّامٍ أفضلُ عندَ اللهِ مِن أيَّامِ عشْرٍ من ذي الحجَّةِ. قال: فقال رجلٌ: يارسولَ اللهِ! هنَّ أفضلُ أم عِدَّتُهنَّ جهادًا في سبيلِ اللهِ؟ قال: هنَّ أفضلُ مِن عِدَّتِهنَّ جهادًا في سبيلِ اللهِ؟ وما مِن يومٍ أفضلُ عندَ اللهِ مِن يومِ عرفةَ ينزِلُ اللهُ إلى السَّماءِ الدُّنيا فيُباهي بأهلِ الأرضِ أهلَ السَّماءِ فيقولُ: انظُروا إلى عبادي شُعْثًا غُبْرًا ضاحِينَ جاؤوا مِن كلِّ فجٍّ عميقٍ يرجون رحمتي ولم يرَوْا عذابي، فلم يُرَيومٌ أكثرُ عِتْقًا مِن النَّارِمن يومِ عرفةَ.

-الراوي: جابربن عبدالله.

-المحدث: ابن حبان.

-المصدر: صحيح ابن حبان.

-الصفحة أو الرقم: 3853
-خلاصة حكم المحدث: أخرجه في صحيحه.

لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہم کسی بھی قول یا عمل کو بغیر دلیل اور ثبوت کے نہ صرف قبول کرلیں بلکہ اس کو پھیلانا بھی شروع کر دیں، جبکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر کسی جھوٹی بات کو میری ذات کی طرف منسوب کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے.

■ **اس پوسٹ میں اولاد کیلئے دعا کے متعلق کہا گیا ہے.**

اگر پہلی اولاد کیلئے دعا کرنے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے پہلی اولاد کی دعا ان دنوں میں کی ہے تو یہ بات بلکل باطل اور بے اصل ہے، اور اگر اس سے ان ایام میں اپنی اولاد کی اصلاح اور بہتری کی دعا کرنا مراد ہے تو ایسی بات بعض مفسرین نے ذکر تو ضرور کی ہے لیکن اس کیلئے کسی تاریخ یا کسی خاص وقت کا تعین کرنا ہر گز درست نہیں.

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اولاد کیلئے مطلقا دعا کرنا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے لیکن اس میں کسی مخصوص تاریخ یا دن کا تذکرہ نہیں ہے.

فهذا سيدنا إبراهيم يرفع أكف الضراعة طالبا من الله تعالى أن يرزقه أبناء صالحين مصلحين فقال: {رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ} (الصافات: 100)

گویا مطلقا دعا کرنا تو ثابت ہے لیکن کسی خاص دن یا کسی خاص موقعے کا ذکر نہیں، بلکہ مفسرین نے وہ موقعہ تو ذکر فرمادیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہوئے تو فرمایا کہ میں یہاں سے بیت المقدس کی سرزمین کی طرف ہجرت کررہا ہوں، اے اللہ! مجھے صالح اولاد نصیب فرما.

- قال ابن كثير رحمه الله في تفسيره:

يَقُول تَعَالَى مُخْبِرًا عَنْ خَلِيله إِبْرَاهِيم عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام إِنَّهُ بَعْدَمَا نَصَرَهُ اللَّه تَعَالَى عَلَى قَوْمه وَأَيِسَ مِنْ إِيمَانهمْ بَعْدَمَا شَاهَدُوا مِنْ الْآيَات الْعَظِيمَة هَاجَرَ مِنْ بَيْن أَظْهُرهِمْ وَقَالَ: {إِنِّي ذَاهِب إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ○ رَبّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ} يَعْنِي أَوْلَادًا مُطِيعِينَ يَكُونُونَ عِوَضًا مِنْ قَوْمه وَعَشِيرَته الَّذِينَ فَارَقَهُمْ.

- قال العلامة السعدي رحمه الله في تفسيره:

وقال إبراهيم: إني مهاجر إلى ربي من بلد قومي إلى حيث أتمكن من عبادة ربي؛ فإنه سيدلني على الخير في ديني ودنياي.

- قال القرطبي رحمه الله:

هَذِهِ الْآيَة أَصْل فِي الْهِجْرَة وَالْعُزْلَة. وَأَوَّل مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ إِبْرَاهِيم عَلَيْهِ السَّلَام، وَذَلِكَ حِين خَلَّصَهُ اللَّه مِنْ النَّار (قَالَ إِنِّي ذَاهِب إِلَى رَبِّي) أَيْ مُهَاجِر مِنْ بَلَد قَوْمِي وَمَوْلِدِي إِلَى حَيْثُ أَتَمَكَّنُ مِنْ عِبَادَة رَبِّي فَإِنَّهُ (سَيَهْدِينِ) اى فِيمَا نَوَيْت إِلَى الصَّوَاب.

قَالَ مُقَاتِل: هُوَ أَوَّل مَنْ هَاجَرَ مِنْ الْخَلْق مَعَ لُوط وَسَارَة إِلَى الْأَرْض الْمُقَدَّسَة وَهِيَ أَرْض الشَّام.

وَقِيلَ: ذَاهِب بِعَمَلِي وَعِبَادَتِي، وَقَلْبِي وَنِيَّتِي.

سوال میں مذکور پوسٹ میں ان ایام میں اپنی اولاد کی خیر وبرکت کیلئے دعا کا لکھا گیا ہے. یقیناہر انسان کو اپنی اولاد کیلئے تمام حالات میں اور خاص کر ان بابرکت ایام میں دعا ضرور مانگنی چاہیئے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معمول رہا ہے کہ کبھی تو اولاد کیلئے ہدایت کی اور شرک سے بچنے کی دعا مانگ رہے ہیں:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ (إبراهيم : 35)

اور کبھی ان کی آخرت کے ساتھ ساتھ ان کی دنیا کی بھلائی اور کامیابی کیلئے دعا مانگ رہے ہیں:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (إبراهيم: 37)

اور کبھی ان کے نیک اعمال پر جمنے کی دعا مانگ رہے ہیں:

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ (إبراهيم: 4)

- بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو یہ ایام حج تھے اور آپ نے اولاد کیلئے دعا مانگی.

پوری آیت اس طرح ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَاۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (بقره: 128)

تعمیر بیت اللہ سے فارغ ہونے کی روایات:

٢٠٦٩ -حدثنا الحسن بن يحيى قال، أخبرنا عبدالرزاق قال، أخبرنا ابن جريج قال، قال ابن المسيب: قال علي بن أبي طالب: لما فرغ إبراهيم من بناء البيت، قال" :فعلت أي رب، فأرنا مناسكنا" (أى أبرزها لنا، علمناها) فبعث الله جبريل، فحج به. (طبری)

وأخْرَجَ الأزْرَقِيُّ عَنْ زُهَيْرِبْنِ مُحَمَّدٍ قالَ" :لَمّا فَرَغَ إبْراهِيمُ مِنَ البَيْتِ الحَرامِ، قالَ: أيْ رَبِّ، قَدْ فَعَلْتُ، فَأرِنا مَناسِكَنا. فَبَعَثَ اللَّهُ إلَيْهِ جِبْرِيلَ، فَحَجَّ بِهِ، حَتّى إذا جاءَ يَوْمُ النَّحْرِ، عَرَضَ لَهُ إبْلِيسُ، فَقالَ: احْصِبْ، فَحَصَبَ سَبْعَ حَصَياتٍ، ثُمَّ الغَدُ، ثُمَّ اليَوْمُ الثّالِثُ، فَمَلَأ ما بَيْنَ الجَبَلَيْنِ، ثُمَّ عَلا عَلى ثَبِيرٍ، فَقالَ: ياعِبادَالله، أجِيبُوا رَبَّكم. فَسَمِعَ دَعْوَتَهُ مَن بَيْنَ الأبْحُرِ مِمَّنْ في قَلْبِهِ مِثْقالُ ذَرَّةٍ مِن إيمانٍ، قالُوا: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ "...الخ (درمنثور)

خلاصہ کلام

ان ایام میں دعا کو اولاد کیلئے مخصوص کرنا اور اس کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی دلیل پیش کرنا اگرچہ بعض مفسرین سے منقول ضرور ہے لیکن اس میں کسی تاریخ کو متعین کرنا یا کسی خاص وقت کو متعین کرنا ایک ایسی زیادتی ہے جو قطعی اور یقینی نہیں، لہذا ایسے ہر قسم کے دعوے سے اجتناب کرنا چاہیئے.

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ یہ فضیلت والے دن اور راتیں ہیں، لہذا ان میں نیک اعمال کرنا، روزے رکھنا، اپنے اور اپنے اہل وعیال کیلئے دعائیں کرنا بہت برکت والا عمل ہے.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالباقی اخونزادہ

۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۸ مکہ مکرمہ

تنبیہات سلسلہ نمبر63

ذی الحجہ کے دس دنوں کی فضیلت

سوال: مندرجہ ذیل پوسٹ کثرت سے گردش کررہی ہے جس میں ذی الحج کے دس دنوں میں سے ہر دن کی الگ الگ فضیلت بیان کی گئی ہے اور ہر دن میں ایک خاص واقعہ اور وجہ بیان کی گئی ہے، اس حدیث کی صحت کے متعلق کیا حکم ہے؟

فضل الأيام العشر من ذى الحجة

ذی الحج کے دس دنوں کی فضیلت:

من صام هذه الايام أكرمه الله تعالى بعشرة أشياء هى:

جو شخص ذی الحج کے ابتدائی دس دنوں کے روزے رکھے گا اللہ تعالی اسکو دس انعامات سے نوازینگے:

١ -البركة فى العمر.

عمر میں برکت.

٢ -الزيادة فى المال.

مال میں زیادتی.

٣ -الحفظ والبركة فى الاولاد.

اولاد میں برکت وحفاظت.

٤ -التكفير للسيئات.

گناہوں کی معافی.

٥ -مضاعفة الحسنات .

نیکیوں کا بڑھنا.

٦ -التسهيل عند سكرات الموت.

موت کی سختی آسان ہو گی.

٧ -الضياء لظلمة القبر.

قبر میں روشنی.

٨ -التثقيل فى الميزان .

ترازو میں اعمال بھاری ہونگے.

٩ -النجاة من دركاته.

آخرت کی بربادی سے حفاظت.

١٠ -الصعود فى درجاته.

درجات کی بلندی.

روى ابن عباس عن رسول الله ﷺ أنه قال:

ابن عباس رضی اللہ عنھما کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

پہلی ذی الحج کو حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی تھی، پس اس دن روزہ رکھنے والے کے تمام گناہ معاف ہونگے.

اليوم الذى غفر الله فيه لآدم عليه السلام هو أول يوم من ايام ذى الحجة، من صام ذلك اليوم غفر الله له كل ذنب.

دوسری تاریخ کو یونس علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی تھی، اس دن روزہ رکھنے والے کو ایک سال کامل عبادت کا اجر ملے گا.

اليوم الثانى هو اليوم الذى استجاب الله فيه دعاء سيدنا يونس عليه السلام وهو فى بطن الحوت؛ من صام ذلك اليوم كمن عبد الله سنة كاملة ولم يعصيه طرفة عين.

تیسرے دن زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی تھی، جو اس دن روزہ رکھے گا اس کی دعائیں قبول ہونگی.

اليوم الثالث هو اليوم الذى استجاب الله فيه دعاء سيدنا زكريا؛ من صام ذلك اليوم استجاب الله دعاءه.

چوتھے دن عیسی علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی، جو اس دن روزہ رکھے گا اس سے فقر و فاقہ دور ہوگا.

اليوم الرابع هو اليوم الذى ولد فيه سيدنا عيسى عليه السلام؛ من صام ذلك اليوم ينفر الله عنه الفقر والبؤس.

پانچویں روز موسی علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، جو اس دن روزہ رکھے گا اللہ تعالی اس کو عذاب قبر سے محفوظ کرینگے.

اليوم الخامس هو اليوم الذى ولد فيه سيدنا موسى عليه السلام، من صام ذلك اليوم انجاه الله من عذاب القبر.

چھٹے روز اللہ تعالی نے اپنے نبی پر خیر کے دروازے کھولے تھے، جو اس دن روزہ رکھے گا اللہ تعالی اس کو نظر رحمت سے دیکھیں گے، اور جس کو نظر رحمت سے دیکھا اس کو عذاب نہیں دینگے.

اليوم السادس هو اليوم الذى فتح الله فيه لنبيه كل ابواب الخير، من صام ذلك اليوم ينظر الله اليه بالرحمة؛ ومن نظر الله اليه بالرحمة لا يعذبه ابداً.

ساتویں روز جہنم کے دروازے بند کئے جاتے ہیں جو دس تاریخ تک بند رہتے ہیں، جو اس دن کا روزہ رکھے گا اللہ تعالی اس پر تیس دروازے آسانیوں کے کھول دینگے اور مشکلات کے تیس دروازے بند کئے جائینگے

اليوم السابع هو اليوم الذى تغلق فيه ابواب جهنم فلا تفتح حتى تنتهى العشر، ومن صام ذلك اليوم فتح الله له ثلاثين باباً من اليسر واغلق عنه ثلاثين باباً من العسر.

آٹھواں دن یہ حج کا پہلا دن ہے، جو اس دن روزہ رکھے گا اللہ تعالی اسکو اتنی خیر دینگے جس کو کوئی نہیں جانتا.

اليوم الثامن هو يوم التروية، من صام ذلك اليوم أعطاه الله من الخير ما لا يعلمه الا الله سبحانه وتعالى.

نویں دن کا روزہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے.

اليوم التاسع: وهو يوم عرفة من صام ذلك اليوم كان كفارة للسنة الماضية والسنة المستقبلة وهو اليوم الذى فيه انزل الله تعالى: {اليوم أكملت لكم دينكم} صدق الله العظيم.

دسواں دن عید کا دن اور قربانی کا دن ہے، جو شخص اس میں قربانی کرے گا وہ اسکے تمام گناہوں کا کفارہ بنے گا.

اليوم العاشر وهو يوم العيد ويوم التضحية، ومن قرب فيه قرباناً كان كفارة لكل ذنوبه.

اس روایت کا حکم بیان فرمائیں:

الجواب باسمہ تعالی

یہ روایت باوجود تلاش کرنے کے کسی بھی مستند کتاب میں کسی بھی صحیح یاضعیف سند سے نہیں ملی بلکہ احادیث کو تلاش کرنے والے تمام ویبسائٹ نے بھی اس روایت کے وجود کا انکار کیا ہے اور ہر جگہ یہی جواب ملتا ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے

1) الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه أما بعد :فقد بحثنا عن هذا الخبر في مظانه من كتب السنة، فلم نقف عليه في شيء منها، فالظاهر أنه موضوع .
2) ج: هذا الحديث لا نعلم له أصلاً، وفضل العمل في عشر ذي الحجة ثابت في الأحاديث الصحيحة،

خلاصہ کلام

ذی الحج کے دس ایام کے فضائل قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے بلکل صحیح طور پر ثابت ہیں، لہذا یہ دن اور راتیں ہر گز اس بات کی محتاج نہیں کہ ان کی فضیلت کو ثابت کرنے کیلئے کسی من گھڑت روایات کا سہارالیا جائے.

سوال میں ذکر کردہ باتیں اور واقعات میں سے اکثر من گھڑت اور بے اصل ہیں، لہذا یہی کہا جائے گا کہ یہ پوسٹ بے اصل اور غلط ہے.

ان ایام کے روزے اور خاص طور پر یوم عرفہ کا روزہ بہت ہی فضیلت والا ہے، لہذا ان روزوں کے رکھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالباقی اخونزادہ

۲ ذوالحجۃ ۱۴۳۸ مکہ مکرمہ

تنبیہات سلسلہ نمبر 64

تکبیرات تشریق کی حقیقت

سوال: گذشتہ کچھ روز سے ایک ویڈیو مسلسل گردش کر رہی ہے جس میں ایک مولانا صاحب نے تکبیرات تشریق کے متعلق کچھ اس طرح بتایا کہ "تکبیر تشریق" عشق اور محبت کا ترانہ ہے، یہ عشق اور محبت کی ایک داستان ہے جسکو اللہ رب العزت نے تین جملوں میں سمیٹ کر بیان کر دیا.

جس وقت ذی الحج کی ۱۰ تاریخ، ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند دلبند کو ذبح کرنا چاہتے ہیں، آسمان اور زمین کے تمام فرشتے پکار پکار کر کہہ رہے تھے: اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ تو سب سے بڑا تو سب سے بڑا، یا اللہ! یہ کیا کہ باپ بیٹے کو ذبح کر رہا ہے؟

فرشتوں کی پکار سن کر ابراہیم علیہ السلام کا جذبہ توحید اور جوش میں آیا اور یہ پکار اٹھے: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر

تیرے سوا کوئی معبود نہیں، مولا تو سب سے بڑا ہے.

یہ تو ایک اسماعیل ہے جسکو تجھ سے مانگا تھا، ایسے سینکڑوں بھی ہوتے تو تیرے نام پر قربان کر دیتا.

اور یہ ننھے میاں (حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے نازک ہونٹوں کے ساتھ پیشانی جھکا کر زمین پر لیٹے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ چھوٹا ہوں پتہ نہیں قبول کرینگے یا نہیں، اب جو سنی فرشتوں کی آواز اور جو سنی اپنے ابا کی پکار، وہیں لیٹے لیٹے یہ کہہ اٹھے: اللہ اکبر وللہ الحمد، اللہ جی تیرا شکر ہے مجھ ننھے کی قربانی تو نے قبول فرمالی.

یہ فرشتوں کی ندا، یہ ابراہیم علیہ السلام (خلیل اللہ) کی ندا اور یہ اسماعیل علیہ السلام کا محبت سے بھرپور کلام، ان تینوں کو جمع کر کے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو عطا فرمادیا کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک اس ترانے کو سب کے سب ادا کرتے چلے جاؤ.

ان پانچ ایام میں ہر مرد اور عورت پر ہر فرض نماز کے بعد ان تکبیرات کا پڑھنا واجب ہے.

الجواب باسمہ تعالی

اس روایت کی اسنادی حیثیت:

یہ روایت جہاں جہاں بھی منقول ہے اس حکم کے بیان کے ساتھ ہی نقل کی گئی ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے.

قال ابن نجيم في البحر:
وقد ذكر الفقهاء أنه مأثور
عن الخليل عليه السلام، وأصله أن جبريل لما خاف العجلة على إبراهيم عليه السلام
فقال: الله أكبر الله أكبر؛ فلما رأه إبراهيم عليه السلام قال: لا إله إلا الله؛ فلما علم
إسماعيل الفداء قال إسماعيل: الله أكبرولله الحمد.
(كذا في غاية البيان وكثيرمن الكتب، ولم يثبت عند المحدثين.)
(وكذا في الشامي .)

(تفسیر کشاف میں یہ واقعہ "قیل "کے ساتھ زیادہ مفصل طور پر مذکور ہے.)

تکبیرات تشریق کی حکمت:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تکبیرات تشریق کی حکمت یوں بیان فرمارہے ہیں کہ ہر مشکل اور ہر خوشی کے موقعے پر تکبیر کا پڑھنا سنت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی کا شکر ادا کیا جائے اور اس میں اللہ تعالی کی ذات کے ہر عیب سے منزہ (پاک) ہونے کا اقرار کرنا مقصود ہے خصوصا وہ نامناسب باتیں جن کی نسبت بدبخت یہودیوں نے اللہ تعالی کی ذات کی طرف کی ہے.

قال الحافظ: وأما التكبير فلأنه ذكر مأثور عند كل أمر مهول وعند كل حادث سرور شكرا
لله تعالى وتبرئة له من كل ما نسب إليه أعداؤه ولاسيما اليهود قبحهم الله تعالى.
(فتح الباري لابن حجر: 4/2)

تکبیرات تشریق کا وقت:

- اس کا وقت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین کے نزدیک عرفہ (9 ذی الحج) کی صبح سے ایام منی کے آخری دن (13 ذی الحج) تک ہے.
- لہذا ان پانچ ایام میں ہر مسلمان عاقل بالغ مرد اور عورت پر ہر فرض نماز کے بعد ان تکبیرات کا پڑھنا واجب ہے.
- قال الحافظ : وأصح ما ورد فيه عن الصحابة قول علي و ابن مسعود إنه من صبح يوم عرفة إلى آخر أيام منى.

-أخرجه ابن المنذروغيره..والله أعلم.
(فتح الباري لابن حجر: 462/2)

- وقال النووي: واختارت طائفة محققي الأصحاب المتقدمين والمتأخرين أنه يبدأ من صبح يوم عرفة ويختم بعصر آخر التشريق...

واختاره ابن المنذر والبيهقي وغيرهما من أئمة أصحابنا الجامعين بين الفقه والحديث وهو الذي اختاره.

[المجموع (34/5 و35)]

وقال: وقول أنه من صبح يوم عرفة إلى عصر آخر أيام التشريق وهو الراجح عند جماعة من أصحابنا وعليه العمل.

-شرح النووي على مسلم (180/6).

-الأوسط لابن المنذر (303/4 9).

-وسنن البيهقي: (101/5)

وقال شيخ الإسلام: أصح الأقوال في التكبير الذي عليه جمهور السلف والفقهاء من الصحابة والأئمة أن يكبر من فجر يوم عرفة إلى آخر أيام التشريق عقب كل صلاة ويشرع لكل أحد أن يجهر بالتكبير عند الخروج إلى العيد وهذا باتفاق الأئمة الأربعة.

(مجموع الفتاوى: 220/24)

خلاصہ کلام

تکبیرات تشریق نہ صرف یہ کہ صحیح روایات سے ثابت ہیں بلکہ جمہور امت کا تعامل بھی اسی پر رہا ہے، لیکن اس کیلئے ایسی کمزور روایات سے استدلال کرنا اور غیر مستند اقوال کو عام کرنا عالمانہ اور عاقلانہ عمل ہرگز نہیں.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الباقی اخونزادہ

۸ ذوالحجہ ۱۴۳۸ - عرفات

تنبیہات سلسلہ نمبر 29

سعودی عرب میں باہر سے درآمد شدہ گوشت کا حکم

سوال: مشرق وسطی سے درآمد شدہ مرغی کا گوشت ہاتھ سے ذبح کیا ہوا نہیں ہوتا لیکن ہر کوئی کھاتا ہے کیونکہ عمومی فتوی اسکے حلال ہونے کا ہے اور ہر طرح کی پیکنگ پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ گوشت حلال ہے. کیا اس طرح کا گوشت کھانا جائز ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا

واضح رہے کہ کسی بھی گوشت کے حلال ہونے کیلئے فقہاء نے کچھ شرائط ذکر کی ہیں:

۱. یہ کہ اس جانور کو اسلامی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو یعنی کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑہی گئی ہو اور جانور کو باقاعدہ حلق کے مقام پر سے ذبح کیا گیا ہو تو یہ گوشت بلاشبہ حلال ہے.

الأولى: أن نعلم أن ذبحه كان على الطريقة الإسلامية بأن يكون ذبحه في محل الذبح؛ وهو الحلق، وأن ينهر الدم بمحدد غير العظم والظفر، وأن يذكر اسم الله عليه، فيقول الذابح عند الذبح: بسم الله.

ففي هذا الحال المذبوح حلال بلا شك.

۲. یہ بات معلوم ہو جائے کہ جانور کو غیر اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے مثلا: گلہ گھونٹا گیا ہو یا بجلی کے جھٹکے سے مارا گیا ہو وغیرہ تو اس صورت میں یہ گوشت حرام کہلائے گا.

الثانية: أن نعلم أن ذبحه على غير الطريقة الإسلامية مثل أن يقتل بالخنق أو بالصعق أو بالصدم أو بضرب الرأس ونحوه، أو يذبح من غير أن يذكر اسم الله عليه.

ففي هذا الحال المذبوح حرام بلا شك.

۳. تیسری صورت یہ ہے کہ جانور ہے تو ذبح شدہ لیکن اسکو کس طرح ذبح کیا گیا ہے اور کیا اس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں، یہ ایک شک اور تردد کی شکل ہے.

الثالثة: أن نعلم أن الذبح وقع ولكن نجهل كيف وقع بأن يأتينا ممن تحل ذبيحتهم لحم أو ذبيحة مقطوعة الرأس ولا نعلم على أي صفة ذبحوها ولا هل سموا الله عليها أم لا.

ففي هذا الحال المذبوح محل شك وتردد.

یہی تیسری صورت ہمارے سوال کا مقصود ہے کہ کیا یہ گوشت حلال کہلائے گا یا حرام

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ اگر یہ گوشت کسی اسلامی ملک سے درآمد کیا جارہا ہے تو یہ گوشت بلاشبہ حلال ہے جب تک حرمت کی کوئی واضح دلیل نہ ہو.

أولاً: أن يكون مورده مسلماً ظاهره العدالة ويقول: إنه مذبوح على الطريقة الإسلامية، فيحكم بالحل هنا لأن حال المسلم الظاهر العدالة تمنع أن يورد إلى المسلمين ما يحرم عليهم ثم يدعي أنه مذبوح على الطريقة الإسلامية.

ثانياً: أن يرد من بلاد اكثر أهلها ممن تحل ذبيحتهم ، فيحكم ظاهراً بحل الذبيحة تبعاً للأكثر إلا أن يعلم أن المتولي للذبح ممن لا تحل ذبيحته فلا يحكم حينئذ بالحل لوجود معارض يمنع الحكم بالظاهر.

دوسری صورت یہ ہے کہ درآمد تو کسی غیر مسلم ملک سے کیا گیا ہو لیکن درآمد کرنے والا کوئی مسلمان شخص یا ادارہ ہو اور وہ اس بات کی گواہی دے کہ یہ گوشت حلال طریقہ سے ذبح کردہ ہے تو اس گوشت کو حلال ہی کہا جائیگا.

■ **دارالعلوم کراچی کا ایک فتوی**

آجکل مختلف ملکوں میں مشینی ذبیحے کے جو فارم ہیں ان سے نکلے ہوئے مرغیوں کے گوشت کو نہ مطلقا حلال کہا جاسکتا ہے نہ مطلقا حرام، جن فارموں میں شرعی شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہو ان کی مرغیوں کا گوشت حلال ہے اور جہاں یہ شرائط نہ پائی جائیں وہاں کے گوشت کو حلال نہیں کہا جاسکتا. ان شرائط کی تفصیل "حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی" کی کتاب "احکام الذبائح" میں مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1) جانور ذبح ہونے سے پہلے بے ہوش کرنے کے دوران مر نہ جاتا ہو بلکہ وہ ذبح ہونے تک زندہ ہو.
2) ذبح کی نسبت معقول طریقے سے کسی انسان کی طرف کی جاسکتی ہو چاہے مسلمان ہو یا کوئی اہل کتاب یہودی یا نصرانی ہو، اور عیسائیت یا یہودیت پر قائم ہو، دہریہ اور لامذہب نہ ہو.
3) ذبح کرنے والے نے ہر جانور کے ذبح کرتے وقت خالص اللہ کا نام لیا ہو.
4) جانور کے گلے کی چار رگوں میں سے کم سے کم تین کٹی ہوں.

5) بسم اللہ اور ذبح کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ نہ ہو.

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "احکام الذبائح" مصنفہ "حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی")

لہذا جن مرغیوں کے بارے میں صراحت کے ساتھ معلوم ہو کہ یہ ان شرائط کے مطابق ذبح کی گئی ہیں تو ان کا کھانا جائز ہے، اور جن کے بارے میں صراحت سے معلوم ہو کہ مذکورہ شرائط کی خلاف ورزی کی گئی ہے تو ان کا کھانا جائز نہیں.

البتہ اگر کوئی گوشت مسلمانوں کی طرف سے حلال سرٹیفکیٹ کے ساتھ فروخت کیا جارہا ہو اور یہ تفصیل معلوم نہ ہو کہ جس فارم میں وہ ذبح کیا گیا ہے اس میں شرعی شرائط پوری ہوئی ہیں یا نہیں، تو چونکہ بکثرت غیر مسلم ممالک سے ایسا گوشت درآمد ہوتا ہے اور بہت سی مثالیں ایسی سامنے آئی ہیں جن میں غیر ذمہ دارانہ طور پر حلال کے سرٹیفکیٹ جاری کر دیئے گئے ہیں، اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ ایسی مرغی کے گوشت سے پرہیز کیا جائے، لیکن ایسی صورت میں حاجت کے وقت خریدار کو اسکے کھانے میں معذور قرار دینے کی گنجائش ہے.

جسکی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

1. مسلمان ملک میں حلال کہہ کر گوشت بیچا یا کھلایا جارہا ہو تو اس میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہو، اور عام حالات میں یہ تحقیق ضروری نہیں ہے کہ وہ کہاں ذبح ہوا؟ اور کس نے کس طرح ذبح کیا؟ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارات سے معلوم ہوتا ہے:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فلياكل من طعامه ولا يسأل.

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی مسلمان کے پاس جاؤ تو اس کے پاس جو کھانا ہو اس کو کھالو اور اس سے سوال نہ کرو (کہ یہ کہاں سے آیا یا کیسے آیا)

ملا علی قاری صاحب مرقاۃ شرح مشکوۃ (10/167) میں لکھتے ہیں:

ولایسال فانه قد یتاذى بالسؤال وذلك إذا لم يعلم فسقه.

2. مسلمان کی خبر دیانات میں معتبر ہوتی ہے.

(فتاوی ھندیۃ:5/308)

خبرالواحد يعتبر في الديانات كالحل و الحرمة والطهارة والنجاسة إذا كان مسلما

مذکورہ بالا اصولوں کا تقاضہ یہی ہے کہ مسلم ممالک میں حلال کہہ کر فروخت کیا جانے والا گوشت حلال ہے.

البتہ چونکہ مشرقی وسطی کے ممالک میں یہ شبہ رہتا ہے کہ شائد شرعی شرائط پورے نہ کئے گئے ہوں لہذا گوشت حلال نہیں ہونا چاہیے لیکن درحقیقت یہ شبہ الشبہ ہے اور اس کی بنیاد پر اصل قاعدے کو ترک نہیں کیا جاسکتا.

لہذا مسلمان ممالک میں مسلمان کے فروخت کردہ گوشت کو حلال سمجھا جائیگا تاہم پوری صورتحال واضح ہونے تک کوئی اپنے طور پر اجتناب کرنا چاہے تو بہتر ہے.

(ملخص فتوے دارالعلوم کراچی .کتبہ: محمد سالم 2 مئی 2015)

اس فتوے پر دارالعلوم کے تمام اکابر کے دستخط بھی موجود ہیں.

▪ **مفتی محمود اشرف صاحب نے اپنے نوٹ میں لکھا ہے:**

● اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس اسلامی ملک کی حکومت نے اپنے ملک میں حرام چیز لانے پر پابندی لگائی ہے اور اس کیلئے ایک ادارہ بھی قائم کر رکھا ہے اور اس ملک کے اکثر علماء اس کو حلال سمجھ کر استعمال کرتے ہیں تو یہ شبہ اور بھی کمزور ہو جائیگا.

برازیل اور دیگر غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کے متعلق عرب علماء کی تحقیق:

● **برازیل میں موجود ایک عرب عالم کی تحقیق**

{الإخوة الكرام تحية طيبة}

أنا أعيش في البرازيل ولهذا من عنده إستفسار عن شئ ما بخصوص اللحوم فأنا موجود إن شاء الله..

انہوں نے تفصیل بتائی کہ برازیل میں دو طرح کے سلاٹر ہاؤس (مذبح خانے) ہیں:

- غیر مسلموں کے.
- مسلمانوں کے.

غیر مسلم تو جانور کو مردار کر دیتے ہیں، کبھی کرنٹ کے ذریعے کبھی دیگر ذرائع سے، لہذا اس گوشت کی حرمت میں کوئی شک نہیں.

● عاطف جميل الفلسطيني (حفظه الله من الفتن)

الدولة: البرازيل.

المشاركات: 1,076

رد: مهم (للإخوة من البرازيل ومن لديه علم بالأمر) سؤال عن اللحوم المستوردة...

بارك الله فيكم في الأمر تفصيل بين لحوم الأنعام ولحوم الدواجن وكذلك من جهة الذابح :

١ .بالنسبة للمذابح البرازيلية هنا -مذابح النصارى- أغلب الظن أنهم يقومون بقتل الأبقار بالطرق التي يعرفها اهل الاختصاص وهذا لا شك فى حرمته وهو باعتراف القوم أنفسهم بهذه الطرق وهدفهم هو تسريع الإنتاج و زياده الربح.

٢ .وبالنسبة للحوم الدواجن هنا في مذابح النصارى فيها تفصيل:

فهناك من يصعقها الصعق الكهربائي المميت وهذا لا شك في حرمته.

■ مسلمانوں کے مذبح خانے

مسلمانوں کے ایسے مذبح خانے موجود ہیں کہ جن پر باقاعدہ اعتماد بھی کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعتوں نے ان سے اس معاملے میں باقاعدہ چھان بین بھی کی ہے۔

ومذابح المسلمين هنا فيها تفصيل فهناك مذابح معروفة وموثوقة من قبل المندوبين الذي زاروا هذه المذابح ودرسوا الأمر بالسؤال والتحري، ولهذا ليس كل اللحوم المستودرة تأتي من جهة واحدة بل من عدة جهات ولا يمكن تعمييم الأمر على اللحوم كلها.....

البتہ مسلمانوں کے ہاں ذبح کا طریقہ مختلف ہوتا ہے بعض لوگ پہلے ہلکا کرنٹ دے کر بیہوشی کی کیفیت تک پہنچادیتے ہیں اور بعض لوگ بغیر بے ہوشی کے براہ راست ذبح کرتے ہیں.

اور ذبح میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ ضرور پڑھی جائے.

أما بالنسبة لمذابح المسلمين فهو نفس طريقة الذبح عند النصارى يعني يقومون بصعقها صعقا خفيفا ثم يذكونها الذكاة الشرعية ويسمون قبل ذلك وهناك من المذابح من لا يستعمل الصعق مطلقا ويكتفي بمطلق القطع.

وحدثني من أثق به وهو باكستاني يعمل في مذابح الدجاج قال: ان المسؤولين ير اقبون شفاه الذباحين عند الذبح لكي يتأكدوا من تسميتهم على الذبيحة.

▪ **سعودی مجلس کبار العلماء کا فتوی**

شیخ ابن العثیمین سے جب اس گوشت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مسئلہ جب ہمارے سامنے آیا تو وزیر تجارت اور وزارت مالیات کے افراد کو مجلس کبار علماء کے سامنے بلایا گیا اور ان سے اس معاملے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

- كل ما يرد الى المملكة فانه مذبوح على الطريقة الاسلامية

کہ جتنا بھی گوشت سعودی مملکت میں لایا جاتا ہے وہ سب کا سب اسلامی طریقے سے ذبح شدہ ہوتا ہے، اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ ان اداروں کی تصدیق کے بعد اب یہ ساری ذمہ داری ان لوگوں کی بنتی ہے اور یہاں مملکت میں موجود ہر قسم کا گوشت حلال ہے.

فنقول: الحمد لله أنا أخبركم هذه القضية عرضت على مجلس كبار العلماء، ودعي إلى المجلس المسئولون في الدولة من وزير التجارة وعضو وزير المالية وسئلوا سؤالات من أكابر العلماء في المملكة، وقالوا: كل ما يرد إلى المملكة فإنه مذبوح على الطريقة الإسلامية؛ والحمد لله نحن على ذمة هؤلاء.

إذاً.. عليه أن يأكل حتى لو قال: برازيلي أو إنجليزي أو أمريكي...

المهم ما دام هؤلاء المسئولون عندنا فهم مسئولون عن الأمة كلها.

السائل: هناك من يقول: إنه لا يجوز أكل اللحوم المستوردة.

الشيخ: على كل حال إذا قالوا: لا يجوز، قل له: ائت به و أنا آكله، و انتهى الموضوع.

وبعد البحث عن كلام الشيخ ابن العثيمين أضعه أمامك.....

■ **ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا**

وقد جرى البحث في مجلس هيئة كبار العلماء، ودعوا وكلاء وزارة التجارة، وقالوا: إننا لا يمكن أن نأذن لشيء يرد إلا ونحن مطمئنون إلى أنه مذبوح ذبحاً شرعياً، ولنا وكلاء

هناك، لكننا لا نقول: إن جميع المصانع أو مذابح أولئك القوم كلها على الطريقة الإسلامية، لكن ما يرد إلى المملكة فإنه محتاط له، هكذا قالوا لنا، وبناء على ذلك يكون حلالاً

وكذلك الدجاج الوطني الذي يذبح هنا أيضاً لا شك في حلته.

ان کی اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ مجلس کبار علماء نے وزارت تجارت کے لوگوں کو بلا کر ان سے اس گوشت کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ جب تک ہم مطمئن نہیں ہوتے اس وقت تک ہم کسی کو اپنے ملک میں گوشت لانے کی اجازت نہیں دیتے، اور وہاں پر باقاعدہ ہمارے لوگ موجود ہوتے ہیں جو اس گوشت کے حلال ہونے کا اطمینان کرتے ہیں کہ سعودیہ میں کوئی حرام گوشت نہ آئے.

■ **کیا ہمیں ہوٹلوں میں جاکر حلال حرام کے بارے میں پوچھنا چاہیئے؟**

شیخ ابن العثیمین سے جب یہ سوال کیا گیا کہ بعض احباب اس طرح کے سوالات کرتے ہیں تو انہوں نے شدت سے اس بات کو منع فرمایا اور اس کو خلاف سنت قرار دیا.

- السؤال: ما حكم فعل بعض الإخوان عندما يذهبون إلى المطاعم ويسألون عن الدجاج الموجودة عندهم ويلحون عليهم ويقولون: هذا من باب الورع كي لا يقعون في الشبهة؟

الجواب: أقول: إن هذا ليس من الورع، الورع اتباع السنة، ليس الورع أن الإنسان يتعنت ويتعمق ويتنطع بل هذا من الهلاك، كما قال النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم: (هلك المتنطعون) ثلاث مرات.....

(تمام تفاصیل اس لنک میں موجود ہیں)

http://www.ahlalhdeeth.com/vb/archive/index.php/t-128765.html

ذاتی تحقیق:

2015 میں حج کے موقعہ پر حرم مکی اور حرم مدنی کے مفتیان کرام سے اس سلسلے میں تفصیلی مکالمہ ہوا اور ان حضرات نے اس گوشت کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا. اسی طرح مکہ میں مقیم پاکستانی انجینئر عبد المنان صاحب نے بھی اس سلسلے میں اپنی تگ و دو کو ذکر کر کے وہاں کی مقرر کردہ اتھارٹی پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے گوشت کو حلال ہی قرار دینے کی تائید کی.

جدہ ایئرپورٹ پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب سے ملاقات:

حضرت سے ملاقات میں یہ عرض کیا کہ حضرت اس گوشت کی حرمت کا قول آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے. تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں نے کبھی بھی اسکو حرام نہیں کہا، البتہ احتیاط کا قول کہتا ہوں.

خلاصہ کلام

سعودی عرب ایک اسلامی ملک ہے اور وہاں کے ادارے اور علماء اس گوشت کے بارے میں مطمئن ہیں، لہذا وہاں پر موجود گوشت جو کہ حلال کہہ کر فروخت ہوتا ہو اس کا کھانا حلال اور جائز ہے، البتہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر اس گوشت سے اجتناب کرنا چاہے تو بہتر ہے، لیکن عمومی طور پر اسکو حرام یا مشتبہ گوشت نہ کہا جائے.

واللہ اعلم

کتبہ: عبد الباقی اخونزادہ

تنبیہات سلسلہ نمبر 126

شیطان کو کنکری مارنے کی حکمت

سوال:

ا. حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کہاں ذبح کیا گیا تھا؟

۲. شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے متعلق جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں انکی کیا حقیقت ہے؟
ان دو باتوں کی تحقیق مطلوب ہے...

الجواب باسمہ تعالی

واضح رہے کہ جن امور کے متعلق آپ علیہ السلام سے کوئی واضح روایت منقول نہ ہو تو ان امور میں اقوال کا اختلاف چلتا رہتا ہے اور وہاں کوئی قطعی بات کہنا مشکل ہوتا ہے.

● ذبیح کون ہے؟

اس کے متعلق بھی روایات واقوال موجود ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کس بیٹے کو ذبح کیا تھا؟ اسماعیل کو یا اسحاق کو...(علیہما الصلاۃ والسلام)

☆ جمہور امت کا قول یہی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی تھے.

جیسے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص نے آپ علیہ السلام کو ابن ذبیحین (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) کہا تو آپ علیہ السلام مسکرائے، کسی نے آپ سے دو ذبیحوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب عبد المطلب نے زمزم کے کنویں کو کھدوانے کا فیصلہ کیا تو یہ نذر مانی کہ اگر یہ معاملہ آسان ہو گیا تو ایک بیٹے کو ذبح کرینگے تو جب قرعہ نکالا تو عبد اللہ کے نام نکلا تو لوگوں نے منع کیا کہ بیٹے کو ذبح نہ کریں اور سو اونٹوں کا فدیہ دیں، تو ایک ذبیح وہ ہو گئے اور دوسرے اسماعیل علیہ السلام.

تفسير ابن كثير: عن الصنابحي قال: كنا عند معاوية بن أبي سفيان فذكروا الذبيح إسماعيل أو إسحاق، فقال على الخبير سقطتم كنا عند رسول الله ﷺ فجاءه رجل فقال: يارسول الله! عد عليَّ مما أفاء الله عليك يا ابن الذبيحين، فضحك عليه الصلاة والسلام فقيل له: وما الذبيحان؟ فقال: إن عبدالمطلب لما أمر بحفر بئر زمزم نذر لئن سهل الله عليه أمرها ليذبحنّ أحد ولده، قال فخرج السهم على عبدالله فمنعه أخواله، وقالوا: افد ابنك بمائةٍ من الإبل، ففداه بمائة من الإبل، والثاني إسماعيل.

● ذبح کا مقام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو کہاں ذبح کیا اس کے متعلق چونکہ واضح روایت موجود نہیں لہذا اس میں اقوال مختلف ہیں...

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں چار اقوال ذکر کئے ہیں:

۱. مکہ میں کسی جگہ ذبح کیا تھا.
۲. جمرات کے قریب قربانی کی جگہ پر.
۳. منی میں جبل ثبیر کے پاس.
۴. ملک شام میں بیت المقدس سے دو میل کے فاصلے پر.

وأما موضع الذبح فهو محل خلاف أيضاً، وقد نقل القرطبي فيه أربعة أقوال في تفسيره:
الأول: أنه بمكة في المقام.
والثاني: أنه في المنحر عند الجمار.
والثالث: أنه ذبحه عند جبل ثبير بمنى.
والرابع: أنه ذبح بالشام، على بعد ميلين من بيت المقدس.
ورجح القرطبي القول الأول ونسبه للأكثرين.

شیطان کو کنکری مارنے کی حکمت:

مستدرک حاکم اور ابن خزیمہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ابراہیم علیہ السلام مناسک پر تشریف لائے تو سامنے شیطان آیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کو جمرۃ عقبۃ کے پاس سات کنکریاں ماریں یہاںتک کہ شیطان زمین میں دھنس گیا پھر دوسری جگہ سامنے آیا تو پھر سات کنکریاں ماریں پھر زمین میں دھنس گیا پھر تیسری جگہ سامنے آیا تو پھر سات کنکریاں ماریں یہاںتک کہ شیطان زمین میں دھنس گیا، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم لوگ شیطان کو مارتے ہو اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرتے ہو.

وذكر هذه القصة الإمام الحاكم في المستدرك والإمام ابن خزيمة في صحيحه عن سيدنا ابن عباس ﵄ رفعه إلى النبي ﷺ قال: "لما أتى إبراهيم خليل الله صلوات الله عليه وسلامه المناسك عرض له الشيطان عند جمرة العقبة، فرماه بسبع حصيات حتى ساخ في

الأرض، ثم عرض له عند الجمرة الثانية، فرماه بسبع حصيات حتى ساخ في الأرض، ثم عرض له عند الجمرة الثالثة، فرماه بسبع حصيات حتى ساخ في الأرض". قال ابن عباس ﵄: الشيطان ترجمون، وملة أبيكم إبراهيم تتبعون.

خلاصہ کلام

احکام الہیہ کی تکمیل میں آپ علیہ السلام کا طریقہ ہی قابل اتباع ہے اور اسی میں اللہ تعالی کی رضا کو تلاش کیا جاتا ہے اگرچہ اس حکم کی کوئی بھی حکمت ہمارے سامنے نہ ہو، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم بھی اللہ تعالی ہی کی طرف سے دیا گیا تھا البتہ اسکے مقام کی وضاحت کسی روایت میں موجود نہیں، لہذا اس پر کوئی قطعی بات کہنا مشکل ہے.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الباقی اخونزادہ

۲۹ جولائی ۲۰۱۸

المدینۃ المنورۃ

تنبیہات سلسلہ نمبر127

مسجد نبوی کی چالیس نمازیں

سوال: مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کے متعلق مختلف باتیں سننے میں آتی ہیں، کوئی اس کا انکار کرتا ہے اور کوئی اس کی ترغیب دیتا ہے... کیا اس کی وضاحت کسی روایت میں موجود ہے؟

اسکے بارے میں تحقیق مطلوب ہے.

الجواب باسمہ تعالی

مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کے متعلق روایات تو موجود ہیں:

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: **"جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ کوئی نماز نہ چھوٹے تو اس کیلئے دو خلاصیاں لکھی جاتی ہیں: ایک جہنم سے خلاصی اور ایک نفاق سے آزادی".**

هذا الحديث رواه أحمد (12173) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدِي أَرْبَعِينَ صَلَاةً لا يَفُوتُهُ صَلاةٌ كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِن النَّارِ، وَنَجَاةٌ مِنَ الْعَذَابِ، وَبَرِئَ مِن النِّفَاقِ". (وهو حديث ضعيف).

- رواه أحمد، وعبدالله بن أحمد في زياداته (155/3) والطبراني في الأوسط (325/5 رقم 5444) من طريق الحكم بن موسى، ثنا عبدالرحمن بن أبي الرِّجال، عن نُبَيْط بن عمر، عن أنس مرفوعا.
- وقال الطبراني: لم يرو هذا الحديث عن أنس إلا نبيط بن عمر، تفرد به عبدالرحمن بن أبي الرجال.

اس روایت کی اسنادی حیثیت:

اس روایت کی سند پر محدثین کرام کی رائے دو طرح کی ہیں:

- **اس سند کو درست قرار دینے والے:**

۱. علامہ ہیثمی نے اس روایت کی سند کے راویوں کو ثقات قرار دیا۔

قال الهيثمي في مجمع الزوائد بعد أن أورد هذا الحديث: رواه أحمد والطبراني في الأوسط ورجاله ثقات.

۲. حافظ منذری نے اس کے راویوں کو صحیح کے رواۃ قرار دیا ہے۔

وقال الحافظ المنذري في الترغيب والترهيب: رواه أحمد ورواته رواة الصحيح، والطبراني في الوسط، وهو عند الترمذي بغير هذا اللفظ.

۳. ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس روایت کے راوی نبیط کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔*

وقال ابن حجر: نبيط بن عمر ذكره ابن حبان في الثقات.

۴. شیخ عطیہ محمد سالم رحمہ اللہ (جو ابن باز کے شاگرد ہیں اور مسجد نبوی میں سابق مدرس تھے انہوں) نے تفسیر "اضواء البیان" میں ضعیف کہنے والوں پر رد کیا ہے کہ جب امام ھیثمی، منذری، بیھقی اور ابن حجر رحمہم اللہ نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے تو اب اس کو ضعیف قرار دینا قطعا کسی کیلئے مناسب نہیں۔

قال عطية محمد سالم في "أضواء البيان في تفسير القرآن بالقرآن" ردا على من ضعف سند هذا الحديث: اجتمع على توثيق نبيط كل من ابن حبان والمنذري والبيهقي وابن حجر، ولم يجرحه أحد من أئمة هذا الشأن، فمن ثم لا يجوز لأحد أن يطعن ولا أن يضعف من وثقته أئمة معتبرون ولم يخالفهم إمام من أئمة الجرح والتعديل.

- **اس روایت کو ضعیف قرار دینے والے:**

۱. علامہ البانی اور ابن باز رحمہما اللہ نے اس روایت کو ضعیف فرمایا، اور نبیط بن عمر (کے احوال) کے بارے میں جہالت کی وجہ سے اس کو منکر قرار دیا ہے کیونکہ نبیط کے بارے میں کسی بھی جگہ حالات کی تفصیل نہیں ملتی، لہذا جنہوں نے نبیط کو ثقہ قرار دیا ہے انہوں نے ابن حبان کی توثیق پر اعتماد کیا ہے حالانکہ ابن حبان توثیق میں تساہل کرتے ہیں، دوسری

بات یہ ہے کہ انس بن مالک سے روایت نقل کرنے والے تمام راوی اس روایت کو مسجد نبوی کی قید کے بغیر نقل کرتے ہیں، صرف نبیط نے "مسجدی" کا لفظ بڑھایا ہے، تو گویا یہ ثقات کی مخالفت ہے جو نکارت کا سبب بنتی ہے۔

قلت: نبيط بن عمر لم يرو عنه إلا عبدالرحمن، وذكره ابن حبان في الثقات على قاعدته في التساهل، وقد تفرد به، وخالف الرواة الآخرين عن أنس الذين لم يذكروا التخصيص في المسجد النبوي.

- **شیخ ابن باز کا قول:**

وقال سماحة الشيخ في مجموع فتاويه (285/26): هو حديث ليس بصحيح، وإن صححه بعضهم فهو حديث ضعيف.

اس روایت کے شواہد:

اس روایت کے قریب المعنی روایات حضرت عمر، ابوہریرہ، ابن عباس اور ابوکاہل رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں، البتہ بعض روایات میں مسجد نبوی کا تذکرہ نہیں بلکہ مطلقا چالیس نمازوں کو پڑھنے کی فضیلت ہے۔

وفي الباب عن أنس، وعمر، وأبي هريرة، وابن عباس، وأبي كاهل، بسياق عام ليس فيه تخصيص المسجد النبوي.

صحیح روایت کے الفاظ:

جو شخص چالیس دن تک تمام نمازوں کو اس طرح (باجماعت) ادا کرے کہ تکبیر اولی فوت نہ ہو تو اس کیلئے دو پروانے لکھے جاتے ہیں: ایک نفاق سے بری ہونے کا اور دوسرا جہنم سے آزادی کا۔

وهذا الموقوف رواه الترمذي (241) وعبدالرزاق (528/1) وبحشل في تاريخ واسط (ص65-66) والدولابي في الكنى (50/2) وابن عدي (402/2، 19/3) والبيهقي في الشعب (162/6) من طرق عن أنس ﷺ قال: "من لم تفته الركعة الأولى من الصلاة أربعين يوما كتبت له براءتان: براءة من النار، وبراءة من النفاق".

خلاصہ کلام

چالیس نمازوں کے متعلق اگرچہ اقوال مختلف ہیں لیکن جہاں متقدمین اور متاخرین کے درمیان (کسی راوی پر) جرح اور تعدیل کے بارے میں اختلاف آجائے اور معاملہ فضائل کے باب میں ہو تو پھر وہاں متقدمین کے قول اور تعدیل کو مقدم کیا جاتا ہے بشرطیکہ راوی پر کذاب (یعنی جھوٹا ہونے) کا الزام نہ ہو.

لہذا اس روایت کو اگر ضعیف تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی فضائل کے باب میں اسکے بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالباقی اخونزادہ
یکم اگست ۲۰۱۸
المکۃ المکرمۃ

تنبیہات سلسلہ نمبر128

تین حج کی فضیلت

سوال: ایک روایت جو ہمیشہ سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ جو شخص تین حج کرتا ہے اللہ تعالی اس کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام فرمادیتے ہیں...

اس روایت کی تحقیق مطلوب ہے..

الجواب باسمہ تعالی

یہ روایت اگرچہ ہماری کتابوں میں ملتی ہے جس کا معنی یوں ہے:

جس نے ایک حج کیا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور جس نے دو حج کئے اس نے اللہ تعالی کو قرض دے دیا اور جس نے تین حج کئے اللہ تعالی اس کے بال اور کھال کو جہنم کی آگ پر حرام کر دینگے.

من حج حجة أدى فرضه، ومن حج ثانية داين ربه، ومن حج ثلاث حجج حرَّم الله شعره وبشره على النار".

یہ روایت کہیں پر بھی صحیح یا ضعیف سند سے منقول نہیں، اسی لئے جب مختلف دارالافتاء سے اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو یہی جواب ملا کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے درست نہیں بلکہ من گھڑت ہے.

وهذا الحديث ليس بصحيح، وهو موضوع لا أصل له، والله أعلم.

شیعوں کی روایات:

البتہ شیعوں کی کتب میں تین حج کرنے کے مختلف فضائل مذکور ہیں:

جیسا کہ کتاب "من لا يحضره الفقيه" میں منقول ہے کہ امام صادق نے فرمایا:

۱. جس نے ایک حج کیا اس نے اپنی گردن کو جہنم سے آزاد کیا اور جس نے دو حج کئے وہ موت تک خیر میں رہے گا اور جس نے مسلسل تین حج کئے اگرچہ وہ اس کے بعد حج کرے یا نہ کرے وہ ہمیشہ حج کرنے والوں میں ہی شمار ہو گا.

وقال الصادق عليه السلام: من حج حجة الاسلام فقد حل عقدة من النار من عنقه، ومن حج حجتين لم يزل في خير حتى يموت، ومن حج ثلاث حجج متوالية، ثم حج أو لم يحج فهو بمنزلة مدمن الحج.

۲. ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص تین حج کرے گا اس پر کبھی فاقہ نہیں آئے گا.

وروى "أن من حج ثلاث حجج لم يصبه فقر أبدا".

۳. ایک اور روایت میں ہے کہ جس سواری پر تین حج کئے گئے اللہ تعالی اس سواری کو جنت کی سواری بنادینگے.

أيما بعير حج عليه ثلاث سنين جعل من نعم الجنة.

۴. ایک روایت میں ہے کہ جس مؤمن نے تین حج کئے اس نے اللہ تعالی سے خود کو قیمت کے بدلے خرید لیا، اب اس سے اسکے مال کا حساب ہی نہیں کیا جائے گا کہ حلال سے کمایا یا حرام سے.

وقال الرضا عليه السلام: "من حج بثلاثة من المؤمنين فقد اشترى نفسه من الله عزوجل بالثمن، ولم يسأله من أين اكتسب ماله من حلال أو حرام".

خلاصہ کلام

سوال میں پوچھی گئی روایت سند کے لحاظ سے بلکل بھی درست نہیں، لہذا اس کی نسبت آپ علیہ السلام کی طرف کرنا درست نہیں. چونکہ یہ مضمون صحیح روایات سے ثابت نہیں لہذا اسکے بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالباقی اخونزادہ

۱۵ اگست ۲۰۱۸

مکۃ المکرمۃ

تنبیہات سلسلہ نمبر 129

قربانی فرد پر یا گھر پر

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک فیملی ایک قربانی کرلے تو یہ قربانی پوری فیملی کے تمام افراد کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے جبکہ ہم تو شروع سے سنتے آئے ہیں کہ ہر صاحب نصاب پر الگ قربانی لازم ہے...

اس بات کی وضاحت مطلوب ہے.

الجواب باسمہ تعالی

قربانی کے متعلق فقہائے امت کا کچھ امور میں اختلاف چلتا ہوا آرہا ہے.

قربانی واجب ہے یا سنت:

١. امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل (ایک قول کے مطابق) اور علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک قربانی ہر صاحب استطاعت کے ذمے واجب ہے.

وذهب الحنفية، والإمام أحمد في رواية اختارها شيخ الإسلام ابن تيمية: إلى وجوبها على الموسر.

٢. امام شافعی، امام ابو یوسف وغیرہ فقہاء کے نزدیک قربانی سنت ہے.

وفي المجموع للنووي: مذهبنا أنها سنة مؤكدة في حق الموسر، ولا تجب عليه.

- امام محمد نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تشریح کی ہے کہ قربانی ہر صاحب نصاب مقیم پر واجب ہے، مسافر پر نہیں.

وقال محمد بن الحسن: هي واجبة على المقيم بالأمصار، والمشهور عن أبي حنيفة أنه إنما يوجبها على مقيم يملك نصابا.

علامہ ابن حجر کا اس موضوع پر تبصرہ:

اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ قربانی اسلام کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے.

١. شوافع اور جمہور علمائے کرام اس کو سنت مؤکدہ علی الکفایہ کہتے ہیں.

٢. ایک قول فرض کفایہ کا بھی ہے.

۳. امام ابو حنیفہ اس کو ہر صاحب نصاب مقیم پر واجب قرار دیتے ہیں.

۴. امام مالک سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے، مگر اس میں مقیم کی شرط مذکور نہیں.

- یہی قول امام اوزاعی، ربیعہ اور لیث سے بھی منقول ہے.

۵. امام احمد کہتے ہیں کہ باوجود قدرت کے قربانی کا چھوڑنا مکروہ ہے.

۶. امام محمد کہتے ہیں کہ یہ ایسی سنت ہے جس کا چھوڑنا درست نہیں.

وفي فتح الباري لابن حجر في شرحه لباب سنة الأضحية، قال رحمه الله: ولا خلاف في كونها من شرائع الدين، وهي عند الشافعية والجمهور سنة مؤكدة على الكفاية.

- وفي وجه للشافعية: من فروض الكفاية.
- وعن أبي حنيفة: تجب على المقيم الموسر.
- وعن مالك مثله في رواية، لكن لم يقيد بالمقيم.
- ونقل عن الأوزاعي وربيعة والليث مثله.
- وخالف أبويوسف من الحنفية وأشهب من المالكية، فوافقا الجمهور.
- وقال أحمد: يكره تركها مع القدرة، وعنه واجبة.
- وعن محمد بن الحسن: هي سنة غير مرخص في تركها.
- قال الطحاوي: وبه نأخذ.

قربانی کے متعلق روایات:

جن روایات سے وجوب معلوم ہوتا ہے:

● ۱. پہلی روایت:

جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے.

قوله ﷺ: "من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا". (رواه أحمد و ابن ماجه، وصححه الحاكم من حديث أبي هريرة).

قال في "فتح الباري": ورجاله ثقات.

- **۲. دوسری روایت:**

آپ علیہ السلام نے عرفات میں فرمایا کہ اے لوگوں! ہر گھر والوں پر قربانی لازم ہے.

قوله ﷺ وهو واقف بعرفة: "يأيها الناس! إن على أهل كل بيت أضحية في كل عام وعتيرة".

قال في "الفتح": أخرجه أحمد والأربعة بسند قوي.

- **۳. تیسری روایت:**

آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس شخص نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی ہے وہ دوبارہ قربانی کر لے.

قوله ﷺ: "من كان ذبح قبل أن يصلي فليذبح مكانها أخرى، ومن لم يكن ذبح حتى صلينا فليذبح باسم الله". (متفق عليه).

جن روایات سے سنت ہونا معلوم ہوتا ہے:

- **روایت نمبر ۱:**

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چیزیں مجھ پر لازم ہیں اور تمہارے لئے نفل ہیں: قربانی، وتر کی نماز اور چاشت کی دو رکعتیں.

هن على فرائض ولكم تطوع: النحر، والوتر، وركعتا الضحى". (أخرجه الحاكم والبزاز).

- **روایت نمبر ۲:**

آپ علیہ السلام دو جانور عید کے دن ذبح فرماتے تھے، ایک جانور کو ذبح فرمانے کے بعد فرماتے کہ اے اللہ! یہ جانور میری تمام مسلمان امت کی طرف سے، پھر دوسرا جانور اپنی طرف سے ذبح فرماتے.

عن على بن الحسين عن أبي رافع ﷺ أن النبي صلي الله عليه وسلم كان إذا ضحى اشترى كبشين أقرنين سمينين أملحين، فإذا صلى وخطب أتي بأحدهما وهو قائم في مصلاه فذبحه بنفسه بالمدية، ثم يقول: اللهم هذا عن أمتي جميعا من شهد لك بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ، ثم يؤتي بالآخر فيذبحه بنفسه ويقول: هذا عن محمد، وآل محمد. (أخرجه أحمد والبزاز).

قال في مجمع الزوائد: وإسناده حسن.

• شیخ ابن عثیمین کی بات کا خلاصہ:

ان روایات کو مدنظر رکھ کر علامہ ابن عثیمین نے لکھا ہے کہ علماء کے اقوال اور ان کے دلائل تقریبا برابر ہیں اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ قربانی کو چھوڑا نہ جائے کیونکہ اس میں اللہ تعالی کی تعظیم ہے اور بالیقین ذمے سے خلاصی ہے.

ولذلك قال الشيخ ابن عثيمين رحمه الله في خاتمة رسالة له مطولة في "أحكام الأضحية والذكاة": هذه آراء العلماء وأدلتهم سقناها ليبين شأن الأضحية وأهميتها في الدين، والأدلة فيها تكاد تكون متكافئة، وسلوك سبيل الاحتياط أن لا يدعها مع القدرة عليها، لما فيها من تعظيم الله وذكره وبراءة الذمة بيقين.

تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی:

اس مسئلے کی بنیاد وہی ہے کہ جن حضرات کے نزدیک قربانی واجب نہیں ان کے نزدیک گھر میں سے کسی ایک فرد کا قربانی کر لینا پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے اور جن حضرات کے نزدیک قربانی واجب ہے ان کے نزدیک ہر فرد پر الگ الگ قربانی لازم ہو گی.

جو لوگ اشتراک کے قائل ہیں وہ بھی اس بات کو تو مانتے ہیں کہ یہ شرکت ثواب میں ہے نہ کہ قربانی کی ادائیگی میں، لہذا وہ حضرات بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ہر صاحب استطاعت کو اپنی طرف سے الگ قربانی کرنی چاہیئے.

جیسا کہ روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا کہ یا اللہ! یہ محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما.

لما رواه مسلم عَنْ عَائِشَةَ أَنّ رَسُولَ الله ﷺ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ، فَأُتِيَ بِهِ لِيُضَحّيَ بِهِ. فَقَالَ لَهَا: "يَا عَائِشَةُ! هَلُمّي الْمُدْيَةَ" ثُمّ أَخَذَهَا، وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ثُمّ ذَبَحَهُ؛ ثُمّ قَالَ: "بِاسْمِ الله؛ اللهُمّ تَقَبّلْ مِنْ مُحَمّدٍ وَآلِ مُحَمّدٍ؛ وَمِنْ أُمّةِ مُحَمّدٍ" ثُمّ ضَحّىَ بِهِ.

اس روایت میں ایک جانور کے ثواب میں سارے گھر کی شرکت تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ایک گھر کے سارے افراد مل کر ایک جانور کی قیمت جمع کر کے ایک قربانی کریں اس بات کو کسی طور پر بھی علماء نے درست قرار نہیں دیا ہے.

فمقتضى هذا الحديث: هو إجزاء الأضحية عن أهل البيت الواحد إذا ملكها المضحي وذبحها عنه وعن أهل بيته، أما اشتراك أهل البيت الواحد في ثمن الشاة فلم يكن من هدي النبي ﷺ ولا الصحابة.

اسی طرح امام مالک کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مال سے جانور خرید کر اس کو ذبح کرے اور ثواب میں اہل خانہ کو شامل کرلے تو ایسا کرنا درست ہے.

قال الإمام مالك: وإن اشترى الرجل أضحيته بمال نفسه، وذبحها عن نفسه وعن أهل بيته فجائز، لأن النبي ﷺ فعل ذلك.

اور امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے عمل کے مقابلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کو پسند کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ گھر کے تمام افراد کی طرف سے الگ الگ قربانی کیا کرتے تھے جبکہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سب کی طرف سے ایک ہی قربانی کے قائل تھے.

واستحب مالك حديث ابن عمر لمن قدر دون حديث أبي أيوب الأنصاري.

- قال عبدالحق: حديث ابن عمر أنه كان لا يضحي عمن في البطن، وأما ما كان في غير البطن، فيضحي عن كل نفس شاة.

- وحديث أبي أيوب: كنا نضحي بالشاة الواحدة يذبحها الرجل عنه، وعن أهل بيته، ثم تباهى الناس فصارت مباهاة.

اسی بات کو شیخ ابن عثیمین نے بھی فرمایا کہ ثواب میں شرکت کی کوئی حد نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام نے پوری امت کی طرف سے ایک دنبہ ذبح کیا.

وقال الشيخ ابن عثيمين في "الشرح الممتع" (275/5): التشريك في الثواب لا حصر له، فها هو النبي ﷺ ضحى عن كل أمته، وها هو الرجل يضحي بالشاة الواحدة عنه وعن أهل بيته، ولو كانوا مئة.

امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ جن لوگوں کو قربانی میں اپنے ساتھ شریک کرسکتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا نفقہ اس شخص پر لازم ہو.

امام محمد نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ اس کے حاجتمند والدین اور ضرورتمند اولاد اس میں شامل ہیں.

قال مالك رحمه الله في أهل بيته الذين يشركونه في أضحيته: هم أهل نفقته قليلا كانوا أو كثيرا.

- زاد محمد عن مالك: وولده ووالديه الفقيرين.

مواہب الجلیل میں بھی لکھا ہے کہ یہ شرکت فقط اجر میں ہے اسلئے سات سے زائد افراد کو اس میں شریک کیا جاسکتا ہے.

قال في مواهب الجليل في شرح مختصر خليل (239/3): لا شرك إلا في الأجر، وإن أكثر من سبعة إن سكن معه.

اسی طرح "مدونہ الکبری" میں منقول ہے کہ اگر گائے، بکری یا اونٹ اپنی طرف سے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربان کیا جائے تو درست ہو گا اگرچہ یہ سات سے زائد ہوں اور اگر ہر فرد کی طرف سے الگ الگ قربانی کی جائے تو یہی بہتر ہے.

قال في المدونة: وإن ضحى بشاة أو بعير أو بقرة عنه وعن أهل بيته أجزاهم، وإن كانوا أكثر من سبعة أنفس وأحب إلي إن قدر أن يذبح عن كل نفس شاة.

ایک (قربانی کافی ہونے والی) روایت کی توجیہات:

جن روایات سے ایک قربانی کا ایک پورے گھرانے کیلئے کافی ہونا سمجھ میں آتا ہے ان روایات کی علمائے کرام نے مختلف توجیہات فرمائی ہیں:

۱. یہ کہ غربت کا زمانہ تھا لہذا گھر میں ایک صاحب استطاعت پورے گھر کی طرف سے قربانی کر لیتا تھا.
۲. اس سے ثواب میں شرکت مراد ہے جیسا کہ اوپر مفصلا ذکر کیا گیا.
۳. یہ ایک صحابی ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ جس کے مقابلے میں دوسرے صحابی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل (یعنی گھر کے ہر فرد کی طرف سے الگ الگ قربانی کرنا) ثابت ہے.

خلاصہ کلام

اس مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے ہی اختلاف رہا ہے، البتہ اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ جس کے پاس وسعت ہو وہ کسی طور پر بھی قربانی نہ چھوڑے کیونکہ قربانی اسلام کا شعار اور اسکی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الباقی اخونزادہ
۵ اگست ۲۰۱۸
مکۃ المکرمۃ

تنبیہات سلسلہ نمبر130

منی، عرفات میں نماز قصر یا مکمل

سوال: حج کے موقعے پر ایک بڑا اختلافی مسئلہ بار بار پیش آتا ہے کہ منی اور عرفات میں نماز پوری پڑھی جائے یا قصر؟
اس سلسلے میں حجاج کرام اور علمائے کرام تک میں اختلاف دیکھا گیا ہے...
برائے مہربانی اس مسئلے کی وضاحت فرمادیجئے...

الجواب باسمہ تعالی

تمام امت کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم سفر کے ساتھ جڑا ہوا ہے کہ اگر سفر ہے تو نماز کو قصر کرینگے اور اگر کوئی مقیم شخص مسافر کی اقتداء میں نماز پڑھے گا تو اس کو اپنی نماز مکمل کرنی پڑے گی جیسا کہ آپ علیہ السلام کا عمل رہا ہے.

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر نماز پڑھی، آپ علیہ السلام فرماتے تھے کہ اے اہل مکہ !تم اپنی نماز مکمل کرو کیونکہ ہم مسافر ہیں.*

عن عمران بن حصين ﷺ قال: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِي عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ، وَيَقُولُ: يَاأَهْلَ الْبَلَدِ! صَلُّوا أَرْبَعًا فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ. (رواه أبوداود، رقم:1229).

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل تھا کہ جب مکہ آتے تھے تو فرماتے: اے اہل مکہ ! اپنی نماز مکمل کرو کیونکہ ہم مسافر ہیں.

وروى مالك في "الموطأ" (206/2) عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ: كَانَ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ صَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُولُ: يَاأَهْلَ مَكَّةَ! أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ.

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی پوری نماز پڑھے گا.

قال ابن قدامة رحمه الله: أجمع أهل العلم على أن المقيم إذا ائتم بالمسافر، وسلم المسافر من ركعتين، أن على المقيم إتمام الصلاة.

آپ علیہ السلام کا سفر حج:

آپ علیہ السلام چونکہ حج کے سفر میں مسافر تھے (اسلئے کہ آپ علیہ السلام کا وہاں پر قیام نو دن کا تھا) لہذا آپ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ مسافر صحابہ نے قصر نماز پڑھی تھی، لیکن جو اہل مکہ تھے ان کے بارے میں کوئی واضح روایت منقول نہیں ہے کہ انہوں نے قصر نماز پڑھی یا مکمل پڑھی، اور نہ ہی ایسی کوئی روایت ہے کہ جس میں آپ علیہ السلام نے ان کو حج کے موقعہ پر مکمل نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو، لہذا اس مسئلے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔

۱. امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے کہ قصر اسی کیلئے ہے جو مسافر ہے ورنہ نہیں۔

عند الشافعي وأحمد وأكثر الفقهاء أن القصر لأجل السفر، فلا يجوز إلا للمسافر الذي يباح له القصر طرداًً للقياس.

۲. امام مالک کے نزدیک قصر کا سبب حج کے ایام کا ہونا ہے۔

عند مالك وبعض أصحاب الشافعي وأحمد أن القصر لأهل مكة وغيرهم لأجل النسك، واختاره ابن كثير.

۳. احناف کے نزدیک قصر کا سبب سفر ہے اور عرفہ اور مزدلفہ میں جمع بین الصلواتین کا سبب حج ہے۔

عند الحنفية القصر للسفر والجمع للنسك.

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے سفر کی وجہ سے قصر کیا تھا نہ کہ حج کی وجہ سے اسلئے کہ اگر حج سبب ہوتا تو مکہ مکرمہ میں احرام باندھتے ہی قصر شروع کرتے لہذا سفر ہی اس قصر کا سبب ہے نہ کہ حج کا ہونا۔

اسی طرح اہل مکہ کا عرفات میں قصر نماز پڑھنا بھی مسافت سفر کی وجہ سے تھا حج کی وجہ سے نہیں۔

قال شيخ الإسلام: وهو الصواب، وهو أنهم قصروا لأجل سفرهم، ولهذا لم يكونوا يقصرون بمكة، وكانوا محرمين، والقصر معلق بالسفر وجوداً وعدماً، ولا تعلق له بالنسك، ولا مسوغ لقصر أهل مكة بعرفة إلا إنهم بسفر.

یہی قول علامہ ابن القیم سے منقول ہے کہ قصر کا سبب وہ سفر ہے حج نہیں۔

وو افقه ابن القيم فقال: ولا تأثير للنسك في قصر الصلاة البتة، و إنما التأثير لما جعله الله سبباً وهو السفر هذا مقتضى السنة، ولا وجه لما ذهب إليه المحددون.

اسی بات کو شیخ ابن عثیمین نے لکھاہے کہ قصر کا سبب حج نہیں بلکہ سفر ہے۔

اور شیخ نے علامہ ابن تیمیہ کے اس قول کو اختیار کیاہے کہ سفر وہ کہلاتا ہے جس میں انسان سامان اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور اس کی کوئی خاص تحدید نہیں ہے۔

واختاره الشيخ ابن عثيمين رحمه الله فقال: الصحيح أن القصر في منى وعرفة ومزدلفة، ليس سببه النسك بل سببه السفر، والسفر لا يتقيد بالمسافة بل يتقيد بالحال وهو أن الإنسان إذا خرج تأهب واستعد لهذا الخروج وحمل معه الزاد والشراب فهو مسافر.

سبب اختلاف اور اقوال کا نتیجہ:

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ سفر کے علاوہ قصر نہیں، تو اب آپ علیہ السلام کے حج میں اہل مکہ نے کیا کیا تھا؟ قصر یا اتمام؟

علامہ ابن حجر نے یہی لکھاہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ مکہ اور منی کے درمیان قصر نہیں کیا جائے گا اور اس میں اختلاف ہے۔

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله: أصل المسألة مبني على تسليم أن المسافة بين منى ومكة لا يقصر فيها وهو من محل الخلاف. (فتح الباري:563/2)

۱. جمہور علمائے کرام کے نزدیک اتمام تھا کیونکہ مسافت سفر مکمل نہیں تھی جس کے بارے میں آپ علیہ السلام پہلے ہی فتح مکہ کے موقعہ پر ہدایات دے چکے تھے۔

۲. امام مالک کی طرف منسوب ہے کہ ان کے نزدیک حج ہی سبب قصر ہے۔

لیکن شیخ زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اوجز المسالک" میں اس نسبت کو رد کرتے ہوئے فرمایاہے کہ امام مالک کا صحیح قول بھی یہی ہے کہ قصر کا سبب سفر ہے نہ کہ حج، البتہ مکہ سے منی اور منی سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منی اور مکہ کو انہوں نے سفر قرار دیتے ہوئے قصر کی اجازت دے دی۔

بسط في الأوجز، عن كتب فروع المالكية، وفي هامش اللامع: والأوجه عندي أن القصر عند الإمام مالك أيضاً للسفر كما صرح في الموطأ إذ قال: الصلاة يوم عرفة إنما هي ظهر، ولكنها قصرت لأجل السفر، فهذا نص عنه رضي الله إلا أنه عد الذهاب من مكة إلى منى، ومنها إلى عرفة، ومنها إلى المزدلفة، ثم إلى منى ثم إلى مكة سفراً واحداً للزومه بالإحرام. (حجة الوداع للكاندهلوي)

گویا جمہور کے نزدیک مکہ کے صحابہ کرام نے حج کے موقعے پر اتمام کیا تھا جبکہ امام مالک کے نزدیک یہ سفر کے حکم میں ہے لہذا انہوں نے سفر کی وجہ سے قصر کیا.

علامہ ابن تیمیہ بھی اس کو سفر کے حکم میں شامل کر کے اہل مکہ کیلئے قصر کے قائل ہیں اور شیخ ابن عثیمین کا بھی پہلے یہی قول تھا.

شیخ ابن عثیمین کا جدید قول:

1410 ہجری تک شیخ کا فتوی علامہ ابن تیمیہ کے قول پر تھا کہ اہل مکہ سفر کی وجہ سے قصر کریں گے لیکن پھر انہوں اپنے قول سے رجوع کر لیا کہ اہل مکہ اب حج میں مکمل نماز پڑھینگے نہ کہ قصر نماز، اور اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں کہ جب ہم منی کو دیکھتے ہیں تو اب وہ مکہ کا ایک محلہ بن چکا ہے گویا کہ یہ بھی اب عزیزیہ کی طرح ہو چکا ہے اسلئے مکہ کا مقیم اب منی میں قصر نہیں کرے گا.

وممن كان موافقا لقول ابن تيمية وناقلا وناشرا ومحققا لترجيحاته الشيخ ابن عثيمين رحمه الله فأخذ يفتي بذلك إلى ما قبل عام 1410هـ تقريبا ثم رجح القول الثاني وهو الإتمام.

حيث قال رحمه الله: ولكن يبقى علينا في وقتنا الحاضر إذا نظرنا إلى منى، وجدنا أنها أصبحت حيّاً من أحياء مكة، والذي يخرج إلى منى مثل الذي يخرج إلى العزيزية، بل ربما يكون بعض أفراد العزيزية الشرقية فوق منى، لذلك أرى أن من الأحوط لأهل مكة ألا يقصروا في منى. [انظر: مجموع دروس وفتاوى الحرم المكي (109/3)، (لقاء الباب المفتوح:51)]

موجودہ زمانے میں منی اور مکہ کا حکم:

پاکستان کے مفتیان کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اس وقت منی اور مکہ ایک ہی جگہ شمار ہوتے ہیں یا مختلف جگہیں؟

ا. کچھ حضرات ان دونوں کو ایک مقام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقیم بننے کیلئے مکہ میں داخل ہونے کے بعد سے لے کر مکہ سے نکلنے تک کا وقت پندرہ دن ہونا کافی ہے، لہذا یہ حاجی تمام مقامات (یعنی مکہ، منی، عرفات، مزدلفہ) میں پوری نماز ادا کرے گا.

۲. دیگر حضرات ان دونوں کو الگ الگ مقام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر منی جانے سے پہلے پندرہ دن مکمل ہو گئے تو یہ شخص مقیم ہے اور ہر جگہ پر مکمل نمازیں ادا کرے گا (یعنی مکہ میں بھی اور منی، عرفات، مزدلفہ میں بھی پوری نماز پڑھے گا) لیکن اگر منی جانے سے پہلے پندرہ دن مکمل نہ ہوئے تو تمام جگہوں پر قصر ادا کرے گا.

☆ ہماری رائے اس مسئلے میں مکہ اور منی کے ایک ہونے کی ہے کہ سعودی عرب کے تمام علمائے کرام اب منی کو مکے کا ہی ایک محلہ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ شیخ ابن عثیمین نے لکھا ہے اور عرب کی ایک مشہور تحقیقی ویب سائٹ سے جب یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ منی اب مکہ کا ہی ایک محلہ ہے.

لأن مكة قد توسعت وصارت منى كأنها حي من أحياء مكة.

خلاصہ کلام

یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ ہر حاجی کو ہر حال میں منی، عرفات، مزدلفہ میں قصر نماز ادا کرنی ہے یہ بات چاروں مسالک اور جمہور علمائے امت کے اقوال کے خلاف ہے.

لہذا جو حاجی پورے پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی وجہ سے مقیم ہو گا وہ پوری نماز ادا کرے گا، البتہ جس شخص کا قیام پندرہ دن سے کم ہو گا وہ مسافر ہونے کی وجہ سے قصر کرے گا.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبد الباقی اخونزادہ

۷ اگست ۲۰۱۸

مكة المكرمة

تنبیہات سلسلہ نمبر 131

ایام حج کی کچھ دعائیں اور اعمال

سوال: ذی الحج کے پہلے عشرے کے متعلق کچھ اعمال اور دعائیں موصول ہوئی ہیں جن کے بارے میں تحقیق مطلوب ہے:

۱. ایک دعا: حضرت آدم علیہ السلام نے طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگی تو اللہ تعالی نے دعا قبول فرمائی.

۲. چند اعمال:

۱. ذوالحجہ کی یکم اور ۶ تاریخ کو چوتھے کلمے کی ایک تسبیح پڑھنی ہے.

فضیلت: تمام عابدوں میں عبادت کا ثواب ملے گا.

۲. ذوالحجہ کی ۲ اور ۷ تاریخ کو ان کلمات کی ایک تسبیح پڑھنی ہے:

"اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له الها واحدا صمدا فردا وترا لم يتخذ صاحبة ولا ولدا".

فضیلت: اسکے پڑھنے والے کیلئے ہزار در ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور قیامت تک بڑھتی چلی جاتی ہیں.

۳. ذوالحجہ کی ۳ اور ۸ تاریخ کو ان کلمات کی ایک تسبیح پڑھنی ہے:

"اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له احدا صمدا لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد".

فضیلت: آسمان دنیا سے ستر ہزار فرشتے (دعا کیلئے) نازل ہونگے، پچیس لاکھ نیکیاں ملینگی اور دس ہزار درجے بلند ہونگے.

۴. ذوالحجہ کی ۴ اور ۹ تاریخ کو چوتھے کلمے کی ایک تسبیح پڑھنی ہے.

فضیلت: اسکا پڑھنے والا بدبخت نہیں ہوتا.

۵. ذوالحجہ کی ۵ اور ۱۰ تاریخ کو ان کلمات کی ایک تسبیح پڑھنی ہے:

"حسبی الله وكفى، سمع الله لمن دعا، ليس وراء الله المنتهى، من اعتصم بالله نجا، سبحان لم يزل كريما ولا يزال رحيما".

فضیلت: حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری دعا ہے اور مجھے اس کی فضیلت بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے.

۶. یوم عرفہ کا عمل: حج کے دن ظہر اور عصر کے درمیان ایک ہزار (۱۰۰۰) مرتبہ سورت اخلاص پڑھ کر جو دعا مانگو وہ پوری ہوگی.

برائے مہربانی اس دعا اور ان اعمال اور انکے فضائل کی تحقیق فرمادیجئے...

الجواب باسمہ تعالی

سوال میں مذکور دعا کتب احادیث میں موجود ہے:

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: "لَمَّا أَرَادَ اللهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَى آدَمَ طَافَ سَبْعًا بِالْبَيْتِ، وَالْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ بِمَبْنِيٍّ وَهُوَ رَبْوَةٌ حَمْرَاءُ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ:

"اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّي وَعَلانِيَتِي فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِي، وَتَعْلَمُ حَاجَتِي فَأَعْطِنِي سُؤْلِي، وَتَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي فَاغْفِرْلِي ذُنُوبِي، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِي، وَيَقِينًا صَادِقًا حَتَّى أَعْلَمَ أَنَّهُ لا يُصِيبُنِي إِلا مَا كَتَبْتَ وَرِضَاءً بِمَا قَسَّمْتَ لِي".

فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَنْ يَأْتِيَ أَحَدٌ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ فَيَدْعُونِي بِمِثْلِ الَّذِي دَعَوْتَنِي إِلا غَفَرْتُ لَهُ وَكَشَفْتُ غُمُومَهُ وَهُمُومَهُ، وَنَزَعْتُ الْفَقْرَ مِنْ بَيْنِ عَيْنَيْهِ وَاتَّجَرْتُ لَهُ مِنْ وَرَاءِ كُلِّ تَاجِرٍ، وَجَاءَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَإِنْ كَانَ لا يُرِيدُهَا.

دعا کا ترجمہ: یااللہ! آپ میری ظاہری اور باطنی سب حالتوں سے واقف ہیں، میں عذر کرتا ہوں پس آپ میرے عذر کو قبول فرمالیں اور آپ میری حاجت کو جانتے ہیں پس وہ مجھے عطا فرمادیں اور جو کچھ میرے دل میں ہے وہ جانتے ہیں تو میرے قصور کو معاف فرمادیں.

یااللہ! مجھ کو ایسا ایمان عطا فرما جو میرے دل میں جم جائے اور ایسا سچا یقین عنایت فرما کہ میں اس بات کو جان لوں کہ مجھے تیرے لکھی ہوئی تکلیف کے علاوہ کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی، اور ایسی اچھی عادت عطا فرما کہ آپ کی دی ہوئی چیز پر خوش ہو جاؤں.

اس روایت کی اسنادی حیثیت:

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد نے اس روایت کو منکر قرار دیا.

فَسَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: هَذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ. (العلل لابن ابی حاتم).

اس دعا کو منکر قرار دینے کی وجہ:

یہ دعا مختلف کتب میں مختلف صحابہ کرام سے منقول ہے:

هذا الحديث أخرجه الطبراني في الكبير.

- و ابن عساكر في تاريخ دمشق من حديث بريدة بن الحصيب ﷺ.

- وأخرجه الطبراني في الأوسط و ابن عساكر في تاريخ دمشق من حديث عائشة ﷺ.

- وأخرجه البزار من حديث ابن عمر ﷺ.

- وأخرجه الأزرقي في أخبار مكة عن عبدالله بن أبي سليمان.

تمام طرق میں موجود علتیں:

۱. پہلی سند:

بریدہ رضی اللہ عنہ سے جو پہلی سند منقول ہے اس میں ایک راوی ہے سلیمان بن قسیم اس کے بارے میں محدثین کے اقوال کافی سخت ہیں:

۱. امام احمد اور ابن معین کہتے ہیں کہ یہ بے حیثیت راوی ہے.

قال احمد و ابن معين: ليس بشئ.

۲. امام ابوزرعہ کہتے ہیں کہ اس کی روایات ناقابل اعتبار ہیں.

قال ابوزرعة: واهي الحديث.

۳. ابوداود کہتے ہیں کہ یہ ضعیف راوی ہے اور محدثین کی نظر میں کچھ نہیں.

قال ابوداود: هو ضعيف ليس عندهم بشئ.

۴. امام نسائی کہتے ہیں کہ اس کی روایات چھوڑ دی جائیں.

قال النسائي: متروك الحديث.

۲. دوسری سند:

بریدہ رضی اللہ عنہ سے جو دوسری سند منقول ہے اس میں ایک راوی ہے حفص بن سلیمان یہ قراءت کے امام ہیں لیکن روایات میں کمزور ہیں.

۱. امام ذہبی کہتے ہیں کہ قراءت کے باب میں امام اور روایات کے باب میں انتہائی کمزور.

وقال الذهبي ملخِّصًا أقوال الأئمة في "الكاشف": ثبتٌ في القراءة، واهي الحديث.

۲. ابن حجر کہتے ہیں کہ باوجود قراءت کے امام ہونے کے متروک الحدیث ہے.

وقال ابن حجر في "التقريب": متروك الحديث، مع إمامته في القراءة.

قال البخاری: ترکوہ.

قال مسلم: متروك.

وقال النسائی: ليس بثقة، ولا يكتب حديثه.

وقال عبدالرحمن بن أبی حاتم: سألت أبی عنه، فقال: لا يكتب حديثه، هو ضعيف الحديث، لا يصدق، متروك الحديث.

۳. تیسری سند:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند میں ایک راوی نضر بن طاہر ہے

۱. امام ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کی روایات چوری کرتا تھا.

قال الامام ابن عدی: يسرق الحديث.

۲. امام ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سنا پھر مجھے ان کے بارے میں جھوٹ کا علم ہو گیا.

۴. چوتھی سند:

سیوطی رحمہ اللہ نے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے. اس سند میں ایک راوی ہے ہشام بن سلیمان اس کو اگرچہ مضطرب الحدیث کہا گیا لیکن اس کی روایت مقبول ہے، لیکن ان کے شیخ عبد اللہ بن ابی سلیمان مجہول ہیں اور روایت معضل ہے (یعنی عبد اللہ نے دو راویوں کو درمیان سے حذف کر کے اس روایت کو بیان کیا ہے).

خلاصہ تحقیق:

یہ دعا جن اسانید سے منقول ہے ان میں سے کوئی بھی سند علت سے خالی نہیں، اسی وجہ سے امام ابو حاتم نے اس دعا کی سند کو منکر قرار دیا ہے.

- **۲. چند اعمال:**

ایسی کوئی فضیلت کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں.

- **۳. یوم عرفہ کا عمل:**

یہ عمل بھی کسی مستند کتاب میں موجود نہیں.

خلاصہ کلام

سوال میں مذکور تمام کلمات اور دعاؤں کے الفاظ نہ صرف یہ کہ درست ہیں بلکہ بہت اعلی معانی پر مشتمل ہیں. البتہ چونکہ یہ دعائیں اس موقعے پر اور ان فضائل کے ساتھ آپ علیہ السلام سے ثابت نہیں اسلئے انکے فضائل کو آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا درست نہیں.

لہذا ان دعاؤں کو ضرور پڑھنا چاہیئے مگر کسی خاص دن کا تعین کرنا یا خاص فضیلت کو بیان کرنا درست نہیں.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالباقی اخونزادہ

۳ذوالحجۃ ۱۴۳۹

۱۴اگست ۲۰۱۸

مکۃ المکرمۃ

تنبیہات سلسلہ نمبر132

شب عرفہ کی دعا

سوال: ایک دعا ہے جو شب عرفہ کی دعا کے نام سے مشہور ہے، جو شخص عرفہ کی رات میں اس کو ہزار بار پڑھے گا اس کی ہر دعا قبول ہو گی... اس دعا کا حکم کیا ہے؟

الجواب باسمہ تعالی

سوال میں مذکور دعا مشہور کتب میں موجود ہے:

بیہقی اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عرفہ کی رات میں یہ دعائیں ہزار مرتبہ پڑھے گا تو جو کچھ اللہ تعالی سے مانگے گا ضرور پائے گا جبکہ گناہ یا قطع رحمی کا سوال نہ کرے... دعا یہ ہے:

"سبحان الذی فی السماء عرشه، سبحان الذی فی الارض موطئه، سبحان الذی فی البحر سبیله، سبحان الذی فی النار سلطانه، سبحان الذی فی الجنة رحمته، سبحان الذی فی القبر قضائه، سبحان الذی فی الهواء روحه، سبحان الذی رفع السماء، سبحان الذی وضع الارض، سبحان الذی لا ملجاء ولا منجا منه الا الیه."

ترجمہ: پاک ہے وہ جس کا عرش بلندی میں ہے، پاک ہے وہ جسکی حکومت زمین میں ہے، پاک ہے وہ کہ جس کا راستہ دریا میں ہے، پاک ہے وہ کہ نار میں اسکی سلطنت ہے، پاک ہے وہ کہ جنت میں اسکی رحمت ہے، پاک ہے وہ کہ قبر میں اسی کا حکم ہے، پاک ہے وہ کہ ہوا میں موجود روحیں اسی کی ملکیت میں ہیں، پاک ہے وہ کہ جس نے آسمان کو بلند کیا، پاک ہے وہ کہ جس نے زمین کو پست کیا، پاک ہے وہ کہ اس کے عذاب سے پناہ ونجات کی کوئی جگہ نہیں مگر اسی کی طرف.

اس روایت کی اسنادی حیثیت:

اس روایت کو جس نے بھی نقل کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی عزرۃ بن قیس ہے.

عزْرَة بن قيس اليحمدي يروي عَن ام الْفَيْض.

ان کے بارے میں محدثین کے اقوال:

۱۔ یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف راوی ہے، ایک جگہ فرمایا کہ کچھ بھی نہیں ہے یعنی بے حیثیت راوی ہے.

قَالَ يحيى بن المعين: ضَعِيف.

-وَفِي لفظ: لَا شَيْء.

۲۔ امام بخاری نے اس روایت کو منکر قرار دیا اور فرمایا کہ عزرہ کی روایت کا کوئی متابع موجود نہیں (یعنی باوجود ضعف کے یہ روایت صرف ان ہی سے منقول ہے)

قال الامام البخاری: حديث منكر، عزرة بن قيس لا يتابع على حديثه.

۳۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ام الفیض سے روایت نقل کرتا ہے، اس کی روایات قلیل ہیں اور یہ منکر الحدیث ہے، لہذا جب یہ اکیلے کسی روایت کو نقل کرے تو ہمیں اس سے روایت کرنا پسند نہیں.

قال ابن حبان: شيخ يروى عن أم الفيض؛ منكر الحديث على قلته؛ لا يعجبني الاحتجاج بحديثه اذا انفرد.

ابن جوزی نے اس روایت کو امام عقیلی کے حوالے سے **"ضعفاء الكبير"** میں نقل کیا اور وضع کا حکم لگایا.

أخرجه ابن الجوزي عن طريق العقيلى فى ضعفاء الكبير (۳/٤١٢)

علامہ سیوطی نے **"اللآلی المصنوعه"** میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ عزرہ بن قیس کی وجہ سے اس روایت کو موضوع کہنا مناسب نہیں لگتا جبکہ اس روایت کو طبرانی اور بیہقی نے نقل کیا ہے.

قلت: هذا لا يقتضي الوضع وقد أخرجه الطبراني والبيهقى فى فضائل الاوقات.

خلاصہ کلام

یہ دعا بھی الفاظ اور معانی کے اعتبار سے بہترین دعا ہے لیکن چونکہ سند کے لحاظ سے اس پر کافی سخت کلام ہے اسلئے اس کو آپ علیہ السلام کی ذات کی طرف منسوب کرنے سے احتراز کرنالازم ہے.

لہذا کسی دن کا تعین کئے بغیر اپنی (روزمرہ کی) دعاؤں میں اس دعا کو ضرور شامل کرنا چاہیئے لیکن اس کے ساتھ کسی خاص وقت، تعداد یا فضیلت کو بیان کرنا درست نہیں.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبدالباقی اخونزادہ

۴ ذوالحجۃ ۱۴۳۹

۱۵ اگست ۲۰۱۸

مکۃ المکرمۃ